بادل کے بچّے

سائنس کا ایک افسانہ

مؤلفہ

شیخ فیروز الدین مراد بی اے ایم ایس سی
ایف آر ایس اے
فیلو فزیکل سوسائٹی لندن چیرمین فزکس ڈیپارٹمنٹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
مصنف تحفۂ سائنس پینچی شرافت
مترجم حکایات شرلک ہومز۔ یادگار شرلک ہومز۔ شرلک ہومز کا پہلا کارنامہ

سنہ ۱۹۳۰ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

بار دوم
قیمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدا سازم بنام پاک آں بے ابتدا

یہ کتاب کسی طویل الذیل تمہید کی محتاج نہیں تاہم اسکے مقاصد کی ایک مختصر تشریح ضروری ہے۔ یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس کی غرض و غایت بچپن ہی میں انہیں سائنس کے مُطالعہ کا شوق دلانا اور ان کے دلوں میں مناظرِ قدرت کے متعلق دلچسپی پیدا کرنا ہے۔ چونکہ بادل، مینہ، کُہر، اولے اور دیگر مظاہرِ فضا بچپن ہی سے اِن کے پیشِ نظر رہتے ہیں، اس لئے اس کتاب

میں بادل، مینہ، کہر، اولوں اور گرمی سردی کے اثر سے پانی کے بھاپ اور برف بننے کی تبدیلیوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے۔ قدرتی مناظر کے سمجھنے کے لئے صحیفۂ فطرت کا مطالعہ اور سائنس کی کتابوں کی ورق گردانی لازمی امور ہیں۔ بچّے صحیح معلومات بڑے ہو کر معلوم کر سکتے ہیں۔ ہم نے ابتداءِ کار کی خاطر اس کتاب میں پانی کی طبیعی تبدیلیوں اور اُن کے متعلق مختلف مظاہرِ فطرت عام فہم قصّہ کے پیرایہ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے حتی الامکان طرزِ بیان سادہ اور سلیس رکھا گیا ہے۔

اگر جوان اور بوڑھے اس کتاب کے بیان کی سادگی سے اُکتا نہ جائیں تو ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب اُن کے لئے بھی دلچسپ ثابت ہو سکتی ہے۔ بہرکیف عمر رسیدہ اصحاب کو یہ کتاب اس نقطۂ نگاہ سے ضرور مطالعہ کرنی چاہیئے۔ کہ اس کے مطالب خُرد سال بچّوں کے ذہن نشین کر سکیں۔

اس کتاب کا پورا نام "انور اور بادل کے بچّوں کی کہانی"

ہے۔ ننّھے انور نے جس کی عمر صرف آٹھ سال کی ہے اسے
بڑے شوق کے ساتھ شروع سے آخر تک پڑھا ہے
دراصل میں نے یہ کتاب انور کے مطالعہ کے لئے لکھی تھی
اُس کی دلچسپی اور گرویدگی دیکھ کر مجھے اس کی اشاعت
کا خیال آیا۔ مجھے اُمید ہے کہ دوسرے بچّے بھی اس کو
ذوق و شوق کے ساتھ پڑھیں گے۔ اگر پہلی مرتبہ پڑھنے میں
کتاب کی بعض باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو شروع سے آخر تک
دوبارہ پڑھنا چاہیئے ؛

چھوٹے بچّے فطری طور پر قصّہ کہانیوں کے دلدادہ
ہوتے ہیں۔ اس لئے واقعات کو ایک مسلسل کہانی کی شکل
میں بیان کیا گیا ہے۔ کہانیوں میں بچّے عام طور پر اپنا نام
پڑھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اگر ممکن ہوتا تو میں تمام بچّوں
کے نام اس قصّہ میں لکھ دیتا۔ تاکہ وہ اپنے نام کی خوشی
سے اس کتاب کو پڑھتے۔ چونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ کسی
ایک کہانی میں تمام بچّوں کے نام لکھے جاسکیں۔ اس لئے

میری یہ تجویز ہے کہ جو بچّے اس کتاب کو پڑھیں وہ انور کی بجائے اپنا نام لکھتے جائیں۔ اس طرح سے یہ کتاب اِن کی اپنی کہانی بن جائیگی۔ ہمیں یقین ہے کہ اپنے نام کی خوشی اور سائنس کے شوق سے وہ اس کہانی کو ضرور پڑھیں گے ٭

بچّے اپنے تخیّل پر اتنا زور نہیں ڈال سکتے کہ مختلف قوائے فطرت کا صحیح فوٹو اپنے ذہن میں لا سکیں، اس لئے کہانی میں گرمی، سردی اور برق کو مشخّص کر کے ظاہر کیا گیا ہے اور اُن کی عادات کی تشریح میں ان کے طبعی تعلقات کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے۔ اُمید ہے۔ کہ اس کتاب کے مُطالعہ سے بچّوں کے دلوں میں بڑے ہو کر خالہ گرمی اور کرنیل برق کے مزید کارناموں سے مفصّل واقفیت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جائیگا ٭

اس کتاب کا ماخذ ایک انگریزی کتاب موسومہ "رین چلڈرن" مصنفہ ٹی ایچ آرین، ایم اے مطبوعہ انجمن اشاعتِ علوم عیسوی ہے ٭

ہماری رائے میں انگریزی کتاب کا لفظی ترجمہ ہندوستانی بچّوں کے لئے بالکل غیر موزوں ہوتا۔ اس لئے ہم نے لفظی ترجمہ کرنے کی بجائے اس دل چسپ تصنیف کے مرکزی خیال کو لے لیا ہے اور ہندوستانی بچّوں کی ضروریات کے مطابق تصرّف کر کے اُسے اُردو کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اِس لحاظ سے موجودہ کتاب ترجمہ نہیں کہی جا سکتی۔ تاہم اس خوشہ چینی اور استفادہ کے لئے راقم الحروف لائق مُصنّف اور انجمن اشاعتِ علوم عیسوی کا تہ دل سے شکر گزار ہے اِس کا تقریباً نصف حصّہ انگریزی کتاب سے بالکل مختلف ہے اور بقیہ نصف کم و بیش "نقل مطابق اصل" ہے ۔

ان تصرّفات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے میں اس امر کا معترف ہوں کہ موجودہ کتاب کی خوبیوں کے لئے ستائش کے مستحق صرف اس کے لائق مُصنّف مسٹر آرین ہیں۔ عیوب و نقائص کا ذمہ دار ہوں ۔

بچّے تصاویر کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے کتاب

کی دل چسپی بڑھانے کی خاطر متعدد تصویریں اہتمام کے ساتھ شائع کی گئی ہیں ۔

مصنّف نے دیباچۂ کتاب میں دو امور کی تشریح کی ہے :۔

اوّل یہ کہ پانی کے قطروں کو بادل کے بچّے کہنے میں حکیم طالیس کا اتّباع کیا گیا ہے ۔

حکیم طالیس حُکمائے یونان کے قدیم طبقہ میں ایک ممتاز عالم گزرا ہے۔ پرانے زمانے میں سات آدمی بالخصوص مشہور تھے۔ انہیں تاریخِ سائنس میں "سات دانا آدمی" کہتے ہیں۔ حکیم طالیس انہی سات دانا آدمیوں میں سے ایک ہے۔ اسے پانی، بھاپ، برف، کہُر اور بادلوں کے مطالعہ سے خاص دل چسپی تھی۔ اس نے پانی کے قطروں کا نام "بادل کے بچّے" رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اور بہت سی باتیں دریافت کی تھیں۔ چنانچہ اس نے ایک کامل سُورج گہن کی پیشین گوئی کی تھی جو ۲۸ رمئی ۵۸۵ء

ل از مسیح کو اُس دن واقع ہُوا تھا جب کہ یونان کی دو حریف
وموں کے درمیان ایک زبردست لڑائی شروع تھی مشہور
ؤرخ ہیروڈوٹس نے اس لڑائی کو "رات کی لڑائی" سے
امزد کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ اس نادر تاریکی سے
جبور ہو کر محاربین جُدا ہو گئے تھے اور دونوں قوموں کے
رمیان ایک دیرپا امن قائم ہو گیا تھا۔ کاش ایسا کوئی
سُورج گہن جنگِ یورپ کے شروع ہی میں واقع ہوتا۔ تاکہ
آج دُنیا اس جنگ کے مضر اور بد اثرات سے محفوظ ہوتی۔

دویم۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن کو عمداً بادل کے بچوں کا
ماں باپ نہیں لکھا گیا ہے بلکہ سُورج کو اُن کا باپ اور
سمندر کو اُن کی ماں بتایا گیا ہے۔ اس کی تشریح باب دوم
میں کر دی گئی ہے۔ علمی نقطۂ نگاہ سے یہ تشریح ضرور
ناقص ہے لیکن گمان غالب ہے۔ کہ بچّے بڑے ہو کر
خود بخود اس تمثیل کی ماہیت سے آگاہ ہو جائینگے اور
سُورج و سمندر کی بجائے وہ آکسیجن اور ہائیڈروجن ہی

کو پانی کی اصل مانیں گے ۔

میں اپنے شاگردِ رشید پروفیسر عبدالعزیز صاحب کا خاص طور پر سپاس گزار ہوں کہ بعض مطالب کی تحقیق اور فرہنگ کی تدوین میں ان سے مجھے بیش از بیش مدد ملی ہے ۔

ایک ابتدائی کتاب مبسوط مقدمہ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب ہم انور اور بادل کے بچّوں کی کہانی شروع کرتے ہیں ۔

مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۱۲ر فروری سنہ ۱۹۲۱ء

فیروز الدین مُراد

۷۸۶

پہلا باب

انور کا خواب

کل انور کی آٹھویں سالگرہ ہے۔ تمام دن وہ سالگرہ
کی تیاریوں میں مصروف رہا۔ اسے سائنس کے مُطالعہ کا
بہت شوق تھا۔ رات کے وقت وہ چاند اور ستاروں کے
متعلق اپنے ابّا جان سے طرح طرح کے سوالات پوچھا کرتا
تھا لیکن آج وہ دن بھر کی دوڑ دھوپ سے تھک گیا۔
اس لئے سرِ شام ہی سو گیا۔ آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلی
تو اسے غافل ہو کر جلدی سو جانے کا بہت افسوس ہُوا۔

چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ انور نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اسے چاند کے گرد ایک رنگین دائرہ دکھائی دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ رنگین دائرہ کیسے بن گیا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اسی وقت اُٹھ کر ابّا جان سے اس کا سبب پوچھے۔ لیکن نیند غالب آگئی اور وہ اسی خیال میں محو سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ ایک پیر مرد بزرگ ہنستے ہوئے اُس کی طرف آرہے ہیں۔ انور نے خواجہ خضر کا قصّہ سُنا تھا۔ اُن کی نورانی صورت اور سفید چمکدار داڑھی دیکھ کر اُس کو یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو خواجہ خضر یہی ہیں۔ وہ خوش ہوا کہ خواجہ خضر اُسے آبِ حیات پلانے کے لئے آرہے ہیں۔ چنانچہ اس نے نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا اور عرض کیا:۔

"خواجہ خضر صاحب جلدی تشریف لائیے اور مجھے آبِ حیات پلائیے"

پیر مرد نے مُسکرا کر کہا "ننّھے بچّے! میں خواجہ خضر نہیں ہوں

میرا نام طالیس ہے۔ میں آج سے کئی سو برس پہلے قدیم یونان میں رہتا تھا۔ تم نے "سات دانا آدمیوں" کا ذکر سنا ہوگا میں اُن مشہور "سات دانا آدمیوں" میں سے ایک ہوں۔ مجھے چھوٹے بچے بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ پچھلے زمانہ میں میں چھوٹے بچوں کے ایک بہت بڑے خاندان کو جانتا تھا جو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ میں انہیں "بادل کے بچے" کہا کرتا تھا۔ آج سے کئی ہزار برس پہلے جب کہ دنیا میں جہالت کا دَور دَورہ تھا اور لوگ سائنس نہیں جانتے تھے، میں نے اُن کے متعلق بہت سی عجیب و غریب باتیں دریافت کی تھیں۔ چونکہ تمہیں سائنس سیکھنے کا شوق ہے اس لئے میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ عنقریب "بادل کے بچے" تم سے ملاقات کرینگے اور تمہیں بہت سی مفید باتیں بتائینگے۔ کارخانۂ قدرت کی باریکیوں کے سیکھنے کے لئے دو چیزوں کی بہت ضرورت ہے۔ اوّل طلب صادق۔ دوئم استقلال۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم بادل کے

بچّوں سے استقلال اور شوق کے ساتھ سائنس کی باتیں سیکھنے کے لئے آمادہ ہو گے ؀

"بھولے بچّے! تم نے مجھے غلطی سے خواجہ خضر سمجھ کر آبِ حیات پینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم علم کے چشمہ سے سیراب ہو جاؤ گے تو تمہیں آب حیات پینے کی ضرورت باقی نہ رہیگی۔ نادان لوگ غلطی سے آب حیات کو پانی کا گھونٹ سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ علم ہی اصلی آبِ حیات ہے۔ تم کو یہ شعر ضرور یاد رکھنا چاہیئے ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم — ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ۔ جس آدمی کا دل و دماغ علم سے زندہ ہوتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ کیونکہ دنیا کے رجسٹر پر اس کا نام ہمیشہ کے لئے درج ہو جاتا ہے؀

"چشمۂ علم سے سیراب ہو کر تم حقیقی حیاتِ دوام حاصل کر سکتے ہو ؀

"پیارے بچّے! ابھی تم کم سن ہو۔ بڑے ہو کر میری نصیحت نہ بھولنا۔ انشاء اللہ القوی میں تم سے پھر ملونگا۔

اب تمہارے آرام کا وقت ہے۔ خدا حافظ"

سالگرہ کی صُبح کو انور کا چہرہ غیر معمولی طور پر بشّاش نظر آتا تھا۔ کیونکہ اسے آج اپنی سالگرہ کی خوشی کے علاوہ حکیم طالیس اور بادل کے بچّوں کی ملاقات کی خوشی تھی۔ وہ بادل کے بچّوں سے سائنس کی باتیں سیکھنا چاہتا تھا۔

دوسرا باب

خالہ سردی

انور نے اپنی سالگرہ کی خوشی میں سارا دن دوستوں کے ساتھ کھیل کود میں صرف کیا۔ شام کے وقت جب تمام مہمان رخصت ہو گئے اُس نے ایک کرسی چمن میں بچھائی اور اُس پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ خدا جانے حکیم طالیس کا وعدہ کب پورا ہوگا اور بادل کے بچّوں سے کب ملاقات ہوگی۔

سُورج پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔ بادل کے ٹکڑے فضا میں اِدھر اُدھر اُڑ رہے تھے۔ شفق پھُولی ہوئی تھی۔ انور غور کے ساتھ ڈوبتے ہوئے سُورج کی طرف

دیکھ رہا تھا۔ ناگاہ اُسے عالمِ خیال میں رنگین بادل ایسے معلوم ہوئے جیسے کوئی عورت سُرخ ارغوانی لباس پہنے مغرب کی طرف پہاڑیوں کے اوپر جُھکی ہوئی ہے۔ اور ڈوبتے ہوئے سُورج کے پیچھے اُفق سے نیچے غائب ہونے کی تیاری کر رہی ہے۔

انور اس سُرخ لباس والی عورت کو دیکھ کر حیران ہو
اور اس نے اپنا سر مشرق کی طرف موڑا یہاں اُسے ایک اَور عورت دکھائی دی جو ٹھنڈا نیلے رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ یہ دوسری عورت زور سے پکار کر کہہ رہی تھی "بچو منجمد ہو جاؤ، فوراً منجمد ہو جاؤ" یہ عجیب و غریب سماں دیکھ کر انور نے اپنی نگاہ گھاس کے مخملی فرش او[ر] باغ کی طرف دوڑائی۔ کُہر کے باعث اسے اب دُور کی چیزیں صاف دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ گھاس کے او[پر] شبنم کے ہزارہا قطرے موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھ[ے] اور ڈوبتے ہوئے سُورج کی روشنی میں قوسِ قزح کے

ساتوں رنگوں کے ساتھ چمک رہے تھے۔
جب وہ ان ننھے ننھے قطروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔
تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ ایک قطرہ بڑا ہو رہا ہے اور بڑا
ہو کر وہ ایک چھوٹی سی پری بن گیا ہے، جیسی کہ اس نے
ناٹک کے تماشے میں پچھلے سال دیکھی تھی۔ پری کے
کندھوں پر خوشنما جالی کے پر تھے، اس کا لباس سفید
اور چمکیلا تھا۔
یہ چھوٹی سی پری انور کی طرف آئی اور اپنے خوبصورت
پروں سے اُڑ کر انور کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ انور نے حیران ہو کر
خوشی سے کہا "میری ننھی منّی پری تو کون ہے؟"
پری نے جواب دیا: "میں بادل کے بچوں میں سے ایک
ہوں میرے جیسے لاکھوں کروڑوں بچے اور ہیں۔ ان میں
سے بعض تمہیں گھاس پر چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بعض
ہوا میں کُہر کی شکل میں دکھائی دے رہے ہیں لیکن کُل دنیا
میں ہماری تعداد اس سے بہت ہی زیادہ ہے۔ ہم پہاڑوں

کی چوٹیوں پر قطبین کے برفانی میدانوں، تیز رو دریاؤں اور وسیع سمندروں میں بے اندازہ تعداد میں موجود رہتے ہیں"۔

شبنم کے قطرے کی یہ باتیں سن کر آنور کو گزشتہ شب کا خواب یاد آ گیا اور اُس نے پری سے پوچھا کیا تم ایک پیر مرد طالیس کو جانتی ہو؟"

پری نے جواب دیا "میں خیال کرتی ہوں کہ میں حکیم طالیس کو جانتی ہوں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ میں اُسے جانتی تھی" یہ کہتے ہوئے پری کی آواز لرز گئی اور آنور نے اپنے ہاتھ پر ایک گرم آنسو گرتا ہُوا محسوس کیا "جب وہ مرا تھا تو مجھے بہت غم ہُوا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ ہمارا ایک سچّا قدر شناس تھا"۔

آنور اب اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا اور پری سے کہنے لگا "براہِ مہربانی تم ضرور مجھے اپنی کہانی سناؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ وہ دو نرالی وضع کی عورتیں جنہیں میں نے ابھی دیکھا تھا۔ کون ہیں؟ اُن میں سے ایک سُرخ لباس پہنے ہُوئے تھی۔

دوسری نیلا۔ نیلے لباس والی نے چلّا کر کہا تھا۔ بچّو منجمد
جاؤ، فوراً منجمد ہو جاؤ، اُس سے اُس کا کیا مطلب تھا؟
بادل کے بچّے نے جواب دیا "میں تمہیں اپنی کہانی
روع سے سُناتا ہوں جیسا کہ میں تمہیں ابھی بتا چُکا ہوں
ارا خاندان بہت وسیع ہے۔ ہمارا باپ سُورج ہے۔ اور
مندر ہماری ماں ہے۔ مجھے اِن دونوں سے بہت محبت
ہے میں اپنے باپ کے روشن چہرے کی طرف دیکھ کر بہت
وش ہوتا ہوں اور مجھے اس کے سامنے بادلوں میں اُڑنا
بہت بھاتا ہے"
انور نے اُس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا "مُعاف
کرنا، تمہارا قطع کلام ہوتا ہے، لیکن اگر تم ایسا نہ کرو تو بہت
اچھّا ہو، اگر کوئی آدمی آگ سے تاپتا ہو تو آگ اور اُس آدمی
کے درمیان پردہ لٹکا دینا کیسا بُرا معلوم ہوتا ہے"
شبنم کے قطرہ نے اس جملہ معترضہ کی پروا نہ کی اور اپنی کہانی
یوں سُنانی شروع کی "بعض اوقات میں خوشی سے زمین

پر گر پڑتا ہوں اور بہ کر نالے میں چلا جاتا ہوں وہ ہمارا منجھلا بھائی ہے اور وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں ہمارے بڑے بھائی دریا کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ اور ہمارا بڑا بھائی ہمیں اپنی آغوشِ شفقت میں لے کر ہماری پیاری ماں سمندر کے گہوارہ میں سُلا دیتی ہے جہاں ہم تھوڑی دیر کے لئے آرام کرتے ہیں +

انور کو اُن بوڑھی عورتوں کا حال سُننے کا بہت شوق تھا۔ اس لئے اس نے پھر کہا "لیکن وہ دو عورتیں کون ہیں؟ اور وہ تمہاری کون ہوتی ہیں"؟

"مَیں ابھی تمہیں اُن کا حال سُناتا ہوں۔ وہ ہماری خالہ ہیں۔ ہمارے ماں باپ براہ راست ہمیں کام کاج کرنے کا حُکم نہیں دیتے۔ یہ کام اُنہوں نے ہماری خالاؤں کے سُپرد کر رکھا ہے۔ سُرخ لباس والی عورت کا نام خالہ گرمی ہے اور نیلے لباس والی خالہ سردی ہے۔ یہ دونو ہمیں اِدھر اُدھر ہلنے جُلنے کا حُکم دیتی ہیں۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہے

کہ یہ دونو ہمیشہ ایک دوسرے سے اُلٹا حکم دیتی ہیں جس
کام کے لئے ایک خالہ حکم دیتی ہے دوسری خالہ اس کا
اُلٹا کرنے کے لئے حکم دیتی ہے۔

"تو پھر تم کس کا کہا مانتے ہو؟"

"میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں بشرطیکہ تم وعدہ
کرو کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرو گے۔ ہماری دونو خالاؤں کی
آپس میں بالکل نہیں بنتی بلکہ سچی بات یہ ہے کہ دونوں ایک
دوسرے سے زہر کی طرح نفرت کرتی ہیں۔ اس لئے جب ایک
خالہ آتی ہے تو دوسری خالہ بڑبڑاتی ہوئی چلی جاتی ہے اس
طرح ایک وقت میں ہمارے سامنے صرف ایک خالہ ہوتی
ہے اور ہم اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہی ہماری نجات
ہے کہ ہمیں ایک وقت میں صرف ایک ہی خالہ کا حکم سُننا
پڑتا ہے۔ مثلاً ابھی تھوڑی دیر ہوئی جب خالہ گرمی آرام کے
لئے علیحدہ ہو رہی تھی تو خالہ سردی فوراً آگئی تھی اور ہمیں
یہ حکم سُنا دیا تھا "بچو منجمد ہو جاؤ"

"ہاں میں نے بھی سُنا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس حُکم کا مطلب کیا ہے ۔"

"میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ اُس وقت ہم ہوا میں اُڑ رہے تھے، ہم میں سے بعض تو اکٹھے اُڑ رہے تھے جن سے تمہیں بادل نظر آتے تھے لیکن اکثر الگ الگ اُڑ رہے تھے۔ ہمارے چھوٹے ہونے کے باعث تم انسانی بچے ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ پھر جب ہمیں منجمد ہونے کا حُکم ملا تو ہم نے اپنے بازو تہ کر لئے اور ایک دوسرے سے مل کر بعض تو شبنم کی شکل میں گھاس پر قطرے بن گئے اور بعض زمین کے قریب کہُر بن گئے ۔"

انور یہ بات سمجھ کر خوش ہو گیا۔ وہ پری سے پوچھنے ہی کو تھا کہ اب خالہ گرمی کہاں گئی ہیں کہ اس کی ماں نے اسے پکارا "بیٹا۔ شام ہو گئی ہے اور تم ابھی تک باہر بیٹھے ہو۔ فوراً اندر چلے آؤ ورنہ سردی لگ جائیگی اور بیمار ہو جاؤ گے دیکھو تو سہی اوس کیسی پڑ رہی ہے"

انور اپنی امّاں جان کا حکم ماننے کے لئے اُٹھا۔ اُس وقت بادل کے بچّے نے اُڑ کر اس کے کان میں کہا "پیارے بچّے خدا حافظ صُبح سویرے یہاں آنا۔ پھر میں تمہیں خالہ گرمی کا کُل حال سُناؤنگا"

جب انور اپنی والدہ کے کمرے میں داخل ہُوا تو اُس نے خوشی سے کہا "امّاں جان میں نے آج ایسی عجیب و غریب چیزیں دیکھی ہیں"

اس کی والدہ نے جواب دیا "خیر۔ اب ان کا خیال چھوڑ دو۔ ورنہ تمہیں رات کو خواب دکھائی دینگے۔ ناحق نیند اُچاٹ ہوگی۔ اب اپنی چارپائی پر لیٹ جاؤ اور آرام سے سو جاؤ"

تیسرا باب

خالہ گرمی

اگلے روز انور نور کے تڑکے اٹھا۔ سورج نکل آیا تھا لیکن ہوا میں ابھی خنکی تھی۔ بادل کے بچے کا وعدہ یاد کر کے اس نے جلدی سے کپڑے پہنے، اور ضروریات سے فارغ ہو کر چمن میں چلا گیا۔ گھاس پر شبنم کے قطرے ابھی تک موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے اور کہر شام کی طرح موجود تھی۔

انور نے اپنے چھوٹے دوست کی تلاش میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہ خوب صورت پری اسے دکھائی نہ دی پھر اس نے سورج کی طرف دیکھا۔ جو ابھی مشرقی

اُفق سے تھوڑا ہی اُونچا اُٹھا تھا۔ سُورج کے اِردگرد اُسے سُرخ و سفید بادل دکھائی دئیے اور وہ اُن کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ اسے ایک عورت کی شکل میں بدلتے ہوئے نظر آئے۔ اس نے اپنے دل میں کہا "ہو نہ ہو یہ خالہ گرمی ہے جانے یہ اب بادل کے بچّوں کو کیا حُکم دیگی" وہ یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایک آواز سُنائی دی "بچّو بخارات بن جاؤ، فوراً بخارات بن جاؤ" اب کُہر سے اوجھل ہو گئی اور شبنم کے قطرے گھاس پر سے اُڑتے ہوئے نظر آنے لگے۔

انور نے حسرت سے کہا "کاش میرا دوست شبنم کے قطروں کے غائب ہو جانے سے پہلے مجھ سے ملتا اور باتیں کرتا" جیسے ہی انور نے یہ کہا اُس نے اپنی گود میں اپنے دوست بادل کے بچّے کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ بادل کے بچّے نے اس کے منہ کی طرف دیکھ کر کہا "اچھّا تو اب تم خالہ گرمی کی نسبت کیا خیال کرتے ہو؟"

"میں اسے خالہ سردی کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔ وہ اُس سے کہیں زیادہ آرام دہ اور خوشگوار ہے!"
"میرے اچھے دوست، کشمیر میں بیٹھ کر واقعی تمہیں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان یا افریقہ کی چلچلاتی دھوپ دیکھو تو تمہارا جی خالہ گرمی سے بھر جائے اور تم خالہ سردی کے آنے کے لئے دعائیں مانگو تاکہ وہ آکر ہمیں منجمد ہونے کا حکم دے، بارش سے ہوا کو ٹھنڈا کرے اور مُردہ زمین میں گھاس اُگائے۔ کیا تم جانتے ہو کہ صحرائے اعظم میں خالہ گرمی کی حکومت بارہ ۱۲ مہینے رہتی ہے۔ اور خالہ سردی کا وہاں گزر تک نہیں ہے۔ اِس لئے ہم وہاں کبھی منجمد نہیں ہوتے۔ بارش وہاں نام کو بھی نہیں ہوتی نہ وہاں کبھی پانی برستا ہے نہ کسی قسم کی روئیدگی ہوتی ہے تمام مُلک بنجر اور ویران ہے۔ مناسب یہی ہے کہ دونو خالہ باری باری سے حکومت کریں جیسا اس مُلک کشمیر جنت نظیر میں ہوتا ہے جہاں ہر طرف لہلہاتے ہوئے سبز کھیت

اور مرغزار نظر آتے ہیں۔ میں کہتا ہوں آدم کی اولاد کو اپنے
نفع نقصان کی تمیز بھی نہیں ہے "
"میرے اچھے دوست، ناراض مت ہو۔ اب مجھے بتاؤ
کہ خالہ گرمی نے ابھی جو حکم دیا تھا "بچو بخارات بن جاؤ" اس سے
اُس کا کیا مطلب تھا؟"
" اس کا یہ مطلب تھا کہ پانی سے ہَوا بن جاؤ۔ ہم نے
یہ حکم سُن کر اپنے پر پھیلا دیئے تھے اور ہَوا میں اُڑ گئے تھے
جہاں کہیں ہمیں ہَوا لے جاتی ہے چلے جاتے ہیں ۔
یہاں تک کہ خالہ سردی آکر ہمیں منجمد ہونے کا حکم دیتی
ہے اور ہم بادل بن کر پھر زمین پر برستے ہیں "
"لیکن" انور نے پوچھا "بخارات کیا چیز ہوتے ہیں؟
کیا یہ بھاپ ہوتی ہے جو اُبلتی ہوئی کیتلی میں سے نکلتی ہے؟"
" ہاں پیارے وہی۔ بھاپ بھی بخارات کی ایک قسم
ہے۔ خالہ گرمی آگ میں چھپی رہتی ہے۔ جب کیتلی میں
پانی اُبلنے لگتا ہے تو وہ ہمیں بخارات بننے کا حکم دیتی

ہے اور چونکہ کیتلی کے اندر ہمیں اپنے پر بازو پھیلانے کے لئے کافی جگہ نہیں ہوتی اس لئے ہم جس طرح بن پڑتا ہے ٹونٹی کے راستے سے جدوجہد کر کے نکلتے ہیں۔ اسی وجہ سے کھولتا ہُوا پانی اتنا شور کرتا ہے۔ لیکن اب دیر ہو گئی ہے، باقی حالات میں تمہیں پھر آکر سُناؤں گا۔"

اب سُورج کی حرارت شدّت سے محسوس ہونے لگی اور خالہ گرمی کی آواز زور سے سُنائی دی "بخارات بن جاؤ۔ نافرمان بچے جب میں حکم دوں تمہیں فوراً بخار بن جانا چاہیئے۔"

بادل کے بچّے نے آزردہ خاطر ہو کر کہا "دیکھا نہ وہی ہُوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ آخر کار خالہ گرمی کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔ لو میرے پیارے اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ تمہارا خدا حافظ" یہ کہہ کر چھوٹی سی پری غائب ہو گئی۔

چوتھا باب

کرنیل برق

سالگرہ کے بعد چند مہینے یوں ہی گذر گئے اور انور
کو اس کا دوست بادل کا بچہ نہ مل سکا۔ آخرکار اگست
میں ایک دن زور کی گرمی پڑی اور انور کا سر دکھنے لگا۔
چونکہ اس کے والدین باہر سیر کے لئے گئے ہوئے تھے
وہ اکیلا چمن میں آ بیٹھا اور ایک کتاب پڑھنے میں مشغول
ہو گیا۔ مطلع ابر آلود تھا۔ ہوا بالکل بند تھی اور حبس کے
مارے پرندے بھی دم بخود تھے ۔

انور نے خیال کیا "ابا جان کہا کرتے ہیں کہ جب ہوا
بند ہو جاتی ہے اور زور کی گرمی پڑتی ہے تو بارش ضرور

ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اب ضرور مینہ کا طوفان آئیگا
کیونکہ ایسا حبس شاذ و نادر ہی کبھی ہوتا ہے" آنور ابھی
یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دُور سے گرج کی آواز سُنائی دی۔
اور بادل لحظہ بہ لحظہ زیادہ سیاہ ہونے لگے۔

آنور نے نظر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اسے بادل
کے دو بڑے تودے دکھائی دیئے۔ ایک اوپر اور ایک
نیچے۔ اوپر کے بادلوں میں تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔ اور
اس کھڑکی میں سے کسی سُرخ چیز کی جھلک دکھائی پڑتی
تھی۔ جب آنور نے اس کھڑکی کی جانب غور سے دیکھا تو
اُسے اوپر کے بادلوں میں سُرخ وردی پہنے ہوئے ایک
سپاہی نظر آیا جو بادلوں کا تکیہ لگائے وہاں آرام سے
لیٹا ہُوا تھا۔

اس کے علاوہ سیاہ بادلوں میں اور بھی سُرخ دھاریاں
نظر آتی تھیں جنہیں تھوڑی دیر کے بعد آنور نے ایک عورت
کی شکل بدلتے ہوئے دیکھا۔ اُس نے جھٹ پہچان لیا

کر وہ خالہ گرمی ہے۔ پھر اس نے چلّا کر کہا "یقیناً وہ خالہ گرمی ہے۔ خدا معلوم وہ اب کیا کریگی۔ ٹھنڈے بادلوں میں بھلا اس کا کیا کام ہو سکتا ہے!" جوں ہی کہ اس نے یہ کہا اس نے دیکھا کہ خالہ گرمی نے لیٹے ہوئے سپاہی کے پاس جاکر اس کا شانہ ہلایا اور کہا "جاگو۔ کرنیل برق اُٹھو آؤ تھوڑی دیر سیر کریں۔" خالہ گرمی کی آواز سُن کر کرنیل برق اپنی آنکھیں ملتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے نیچے کے سیاہ بادلوں کی طرف اشارہ کرکے کہا، "ہاں، وہ جگہ اس سے زیادہ آرام دہ دکھائی دیتی ہے۔" پھر اس نے زور سے پُکار کر کہا "سارجنٹ گرج، ہوت! ہمارا گھوڑا لاؤ۔" اس کے بعد کچھ شور ہُوا اور ایک آدمی گھوڑا لے کر حاضر ہو گیا۔ انور نے دیکھا کہ اس آدمی کی وردی تو نیلی تھی لیکن اس کے بٹن سُرخ رنگ کے تھے اور اس کے کندھے سے ایک بڑا ڈھول لٹکا ہُوا تھا۔ گھوڑے کو ٹھہرا کر اس نے ادب سے سلام کیا اور رکاب تھام کر کھڑا ہو گیا۔ کرنیل برق

نہایت تیزی کے ساتھ سوار ہو گیا۔

لڑکی نے گڑگڑا کر کہا "براہِ کرم مجھے بھی اپنے پیچھے بٹھا لیں میں بھی آپ کے ہم رکاب ہونا چاہتی ہوں"۔ جواب کا انتظار کیئے بغیر وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی اور دونو سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے نیچے کے بادل تک آناً فاناً پہنچ گئے جس راستہ سے وہ گئے تھے وہاں روشنی کی ایک خمدار لکیر پڑ گئی تھی۔ سارجنٹ گرج آہستہ آہستہ اُن کے پیچھے ڈھول بجاتا ہوا چلا گیا۔

اتنے میں انور کو خنکی محسوس ہوئی اور جب اس نے اپنے سر پر سیاہ بادلوں کو ایک نیلے لباس والی عورت کی شکل میں نمودار ہوتے ہوئے دیکھا تو اُس نے کانپ کر کہا "یہ ضرور خالہ سردی ہوگی۔ مجھے اس کا سانس لینا محسوس ہو رہا ہے"۔

خالہ سردی نے بادلوں کے قریب آ کر کہا "اب جب کہ وہ عورت دُور دفع ہو گئی ہے مجھے وقت ضائع نہیں

کرنا چاہیئے۔ اس کے واپس آنے سے پیشتر مجھے اپنا کام
ختم کرالینا چاہیئے۔ میں سارجنٹ گرج کو بلاتی ہوں۔
سارجنٹ گرج ہوت! جلدی سے بادل کے بچوں
کو باقاعدہ کھڑا کردو۔ میں اولے چاہتی ہوں"
جو آدمی ابھی تھوڑی دیر ہوئی، کرنیل برق کا گھوڑا
لایا تھا یہ آواز سُن کر خالہ سردی کے پاس آیا اور سلام کرکے
اپنا ڈھول بجانے لگا۔ پہلے تو اُس نے ڈھول آہستہ
آہستہ بجایا لیکن پھر ایک دفعہ زور سے شور ہُوا۔ اور
یہ آواز صاف سُنائی دی "مینہ کے قطرے بن جاؤ"
"اُلّو کہیں کے! ٹھہرو" خالہ سردی نے چلاکر کہا۔ "میں
نے تمہیں اولے بنانے کے لئے کہا تھا"
"گستاخی معاف بیگم صاحبہ" سارجنٹ نے جواب
دیا "میں حُکم کے لفظ آگے پیچھے نہیں کرسکتا۔ پہلے مینہ کے
قطرے بننے کا حُکم ہے اس کے بعد اولے بننے کا حُکم ہے"
پھر اس نے چلاکر کہا "اولے بن جاؤ" اور فوراً

ژالہ باری شروع ہو گئی اور بڑے بڑے اولے درختوں
میں سے گر کر انور کے سر پر پڑنے لگے۔
گھر جانے کی مہلت نہیں تھی۔ اس لئے انور سیدھا
گلکدہ کی طرف دوڑا۔ پھول گھر باغیچہ کے اندر پاس ہی
تھا۔ پھول گھر کے اندر ننھے ننھے نازک اور خوشنما پھول
دار پودے گملوں میں رکھے ہوئے تھے اور اس کی چھت
اور دیواروں میں شیشے لگے تھے۔
انور ابھی پھول گھر میں پہنچا ہی تھا کہ طوفان تھم
گیا۔ ژالہ باری بند ہو گئی اور بادل صاف ہو کر سورج
چمکنے لگا۔
انور حیران تھا کہ اگست میں اولے کیسے گرے۔
اس نے آج تک ایسی بات نہیں دیکھی تھی۔ لیکن وہ
ابھی اپنے دل میں حیران ہی ہو رہا تھا کہ ایک اور عجیب
بات واقع ہوئی۔ اُس کو سارجنٹ گرج اپنے سامنے کھڑ
دکھائی دیا۔ سارجنٹ نے اپنی ٹوپی تک ہاتھ لیجا کر فوجی

سلام کیا اور کہا "صاحب زادے سلام آپ نے میری فوج کی تیزی طراری دیکھی۔ آپ نے دیکھا کہ بادل کے بچے میرا حکم سن کر کیسی مستعدی سے اولے بن گئے ۔ اور تمہارے سر پر برسنے لگے؟"

انور نے دل ہی دل میں کہا "اس کی فوج! کیسا مغرور آدمی ہے۔" پھر اس نے ذرا مسکرا کر کہا "بھلے آدمی تم کون ہو؟"

اس نے دوبارہ فوجی سلام کیا اور کہا "صاحب زادے اس خاکسار کا نام سارجنٹ گرج ہے۔ بندہ محکمۂ برق میں ملازم ہے۔"

"سارجنٹ گرج! تو کیا یہ سب شور و غوغا، ابھی آپ ہی نے برپا کیا تھا؟"

"جی ہاں۔ بندہ نے ہی کیا تھا لیکن اس میں میرا کچھ قصور نہیں میں صرف اپنے اعلیٰ افسر جنرل برق کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔"

انور یہ سن کر کچھ حیران سا ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ

آدمی یا تو غلط بیانی کر رہا ہے یا جان بُوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ ابھی اس نے بادل کے بچّوں کو اپنی فوج بتایا تھا۔ اور پھر اپنے آپ کو کرنیل برق کا نوکر کہتا ہے۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی اس نے خالہ سردی کے حکم کی تابعداری کی تھی ؂

انور اسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ اس کی نگاہ ایک اولے پر پڑی جو سامنے گھاس پر پڑا ہُوا تھا۔ انور کو ایسا معلوم ہُوا جیسے وہ اولا اس کے قریب آنا چاہتا ہے اور اپنے پروں کو بڑی مشکل سے پھیلا رہا ہے۔ اس نے خوش ہو کر اپنے دل میں کہا "میرا دوست آگیا ہے۔ اب وہ مجھے سب باتیں سچ سچ سمجھا دیگا"

انور نے اولے کی طرف غور سے دیکھا تو وہ اُسے اشارہ کرتا ہُوا دکھائی دیا گویا کہ وہ اپنی زبانِ حال سے کہہ رہا ہے "اس سارجنٹ کو یہاں سے روانہ کر دو تو میں تمہارے پاس آکر سب احوال سُنا دونگا"

اوے کی مرضی پاکر انور نے جلدی سے کہا "سارجنٹ صاحب بندہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ آداب عرض۔" یہ سُن کر سارجنٹ نے سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔

بادل کے بچے نے خوش ہو کر کہا "یہ ٹھیک ہے۔ اب ہمیں اس بے وقوف سے نجات ملی ہے اور ہم اطمینان سے باتیں کر سکتے ہیں۔"

انور نے کہا "پیارے دوست۔ مجھے بتاؤ کہ برق اور رعد اور ژالہ باری اِن سب کا مطلب کیا ہے؟ اور تم نے یہ نرالا سفید چغہ کیوں پہنا ہے؟ اور یہ اتنا سخت کیوں ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ دھوبی نے کلف زیادہ لگا دی ہے۔ مجھے تمہارا اجالی کا کرتہ بھلا معلوم ہوتا تھا۔"

بادل کے بچے نے ہنس کر کہا "میں تمہیں سب باتیں ابھی بتا دوں گا۔ پہلے میں کرنیل برق کا حال سناتا ہوں۔ یہ ہمارا بہت ہی اچھا دوست ہے۔ گو یہ فطرتاً بہت چنچل او

تیز طرار ہے تاہم، ہم اسے عام طور پر آرام سے ایک جگہ
لٹائے رکھتے ہیں۔ مثلاً ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہم میں سے
بہت سے بچّوں نے مل کر ایک سیاہ بادل بنایا تھا اور
اس کے آرام کرنے کے لئے ایک نرم بستہ بچھایا تھا جہاں
یہ لیٹا ہوا تھا۔ اتنے میں خالہ گرمی وہاں پہنچ گئی اور اُس نے
اِسے جگا دیا۔ پھر اس نے نیچے ایک اور بادل دیکھا اور یہ
خیال کر کے کہ وہ جگہ زیادہ با آرام ہو گی، وہ گھوڑے پر
سوار ہو، خالہ گرمی کو اپنے پیچھے بٹھا نیچے کے بادل تک
دَوڑ آیا۔ اور اب بادل کے بچّوں نے اسے وہاں آرام سے
لٹا دیا ہے۔"

انور نے کہا "ہاں میں نے یہ نظّارہ دیکھا تھا۔ اس نے
سُرخ وردی شاید اسی وجہ سے پہنی ہے کہ وہ ایک کرنیل ہے"
"ہاں بعض اوقات وہ کسی اونچے درخت کو دیکھ لیتا
ہے تو اس کی چوٹی پر کود پڑتا ہے۔ اور وہاں سے ایسی
تیزی سے زمین کی طرف جاتا ہے کہ بے چارہ درخت

پھٹ کر دو ٹکڑے ہوجاتا ہے اور جل جاتا ہے"۔
"مجھے یہ معلوم ہے" انور نے کہا "ہماری کوٹھی کے سامنے
ایک خوبصورت دیودار کا درخت تھا۔ گزشتہ سال اس پر
بجلی گری تھی اور وہ پیڑ جل گیا تھا"۔
"ٹھیک ہے۔ میری یہ بات یاد رکھنا جب کبھی مینہ برس
رہا ہو ہرگز تم کسی درخت کے نیچے کھڑے نہ ہونا ایسا نہ ہو
کہ بجلی تم پر گرے اور تم ختم ہو جاؤ۔ اس کے علاوہ ایک اور
چیز کرنیل برق کو بہت پسند ہے اور وہ لوہا ہے۔ جب کبھی
اسے کہیں لوہے کا کوئی ٹکڑا نظر آتا ہے تو یہ اُس پر جھپٹ
کر گرتا ہے"۔
انور تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا "تمہیں معلوم
ہے جامع مسجد کے مینار میں ایک لوہے کی سلاخ چوٹی
سے لے کر زمین تک لگی ہوئی ہے"۔
"ٹھیک ہے۔ ایسی لوہے کی سلاخیں مکانوں کی
حفاظت کے لئے لگائی جاتی ہیں۔ جس مکان پر ایسی لوکدا

سُلاخ لگی ہوتی ہے اُس پر بجلی نہیں گرتی کیونکہ کرنیل برق لوہے کی سُلاخ میں سے سیدھا نیچے اُتر جاتا ہے اور اُس عمارت کو جلانے اور گرانے کی بجائے امن وامان سے زمین کے نیچے چلا جاتا ہے جہاں ہم میں سے بعض بادل کے بچّے جو وہاں موجود ہوتے ہیں اس کے لئے ایک عمدہ سا نرم بستر بنا دیتے ہیں اور یہ وہاں خوشی سے لیٹ جاتا ہے۔"

"سُبحان اللہ! کیا لُطف کی باتیں ہیں۔ پیارے دوست اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ جب مینہ کا طوفان آتا ہے تو اولے کیوں پڑتے ہیں۔ اولے کیا ہوتے ہیں؟ کیا وہ منجمد مینہ کے قطرے تو نہیں ہوتے؟"

"میں کسی دوسرے وقت تمہیں یہ سب کچھ بتاؤں گا۔ اور موسم سرما میں تم خود یہ سب باتیں جان جاؤ گے۔ اس وقت جو کچھ ہُوا تھا وہ یہ تھا:۔ تمہیں یاد ہوگا کہ چند ماہ گذرے جب میں تمہیں پہلی دفعہ ملا تھا خالہ سردی نے آکر ہمیں منجمد ہونے کا حکم دیا تھا۔"

”ہاں جب تم ہوا میں اُڑ رہے تھے اور پھر گھاس کے اوپر شبنم کے قطرے بن گئے تھے“
”بس اگر خالہ گرمی وہاں نہ ہوتی تو خالہ سردی ہمارا پیچھا نہ چھوڑتی۔ اور ہمیں ٹھوس برف بننے کا حکم دیتی اور شبنم کے قطرے جم کر ٹھوس ہو جاتے۔ اور گھاس پر پالا جم جاتا“
”ہاں مجھے یاد ہے، نوروز کو گھاس پر شبنم کے قطروں کی بجائے صُبح کے وقت پالا جما ہُوا تھا۔ اور گھاس پھسلنی ہو رہی تھی“
آج خالہ سردی کو شاید کچھ جلدی کا کام تھا۔ اِس لئے اُس نے ہمیں ہوا میں سے ہی برف بن جانے کا حکم دیا تھا لیکن سارجنٹ نے جو کہ ہر کام باقاعدہ او[ر] صحیح طور سے کرنے کا عادی ہے ہمیں پہلے یہ حکم د[یا] تھا ”مینہ کے قطرے بنو“ اور پھر دوسرا حکم ”اولے بنو“ سُنایا تھا۔ ہم نے دونو حکموں کی تعمیل فی الفور کی تھی

ہیں امید کرتا ہوں کہ اب تمہیں ژالہ باری اور ابر میں فرق معلوم ہو گیا ہو گا۔ جب مینہ کے قطرے نیچے گرتے ہوئے جم کر برف بن جاتے ہیں تو اولے کہلاتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر اُس کی آواز مدّھم ہو گئی اور انور نے اپنے ہاتھ پر پانی کا ایک قطرہ دیکھا جو تھوڑی دیر بعد خشک ہو گیا پھر بادل کا بچہ انور کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

پانچواں باب ۵

برف کی جھیل

سردی کا موسم تھا اور انور کا مدرسہ بڑے دن کی تعطیلات
کے لئے بند تھا۔ کئی دن سے برف لگاتار پڑ رہی تھی اور
سورج کی شکل دکھائی نہ دی تھی۔ ایک دن علی الصبّاح
انور کے بڑے بھائی اقبال نے کہا "میاں انور آؤ آج
سیر کریں۔ خدا خدا کر کے آج سورج نکلا ہے۔ چہل قدمی
سے بدن میں توانائی محسوس ہوگی۔ میں ذرا برف کی جھیل
تک جانا چاہتا ہوں۔ اگر آج رات پالا پڑا تو انشاء اللہ
کل برف اتنی سخت ہوجائیگی کہ ہم اس پر چل پھر سکینگے۔
گو تمہیں ابھی برف کے اوپر دوڑنا نہیں آتا اور شروع

میں تم گر گر پڑو گے لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اب تم کا
بڑے ہو گئے ہو اور تمہیں یہ ہنر بھی ضرور سیکھنا چاہئے
جب میں تمہاری عمر کا تھا تو میں بخوبی برف کے اوپر برو
کا جوتا پہن کر دوڑ سکتا تھا۔ تمہاری آئندہ سالگرہ کے
لئے میں نے برف کا جوتا خرید رکھا ہے۔ میں خیال کرتا
کہ میں وہ تحفہ تمہیں کل ہی دیدونگا بشرطیکہ تم سیکھنے کے
شائق ہو۔"

انور نے خوش ہو کر کہا "بھائی صاحب میں آپ
بہت ممنون ہوں۔ میں ضرور سیکھونگا۔ کیا برف کا ج
پہن کر دوڑنا بہت زیادہ مشکل ہے؟"

اقبال نے جواب دیا "کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ شر
شروع میں تمہیں ایسا معلوم ہوگا کہ تمہارے پاؤں تمہا
نیچے سے بھاگے جا رہے ہیں لیکن اگر تم استقلال سے
کام لو گے تو انشاء اللہ بہت جلد سیکھ جاؤ گے۔ ہر کام
استقلال کامیابی کی کنجی ہے۔ لیکن آؤ ذرا لگے ہاتھوں تیشر

(تھرمامیٹر) کو دیکھتے چلیں۔ دیکھیں آج سردی کتنے درجہ کی ہے؟"

دونو بھائی باغ میں گئے جہاں ایک تپش پیما ایک بلّم کے ساتھ آویزاں تھا۔ تپش پیما کا رُخ شمال کی طرف تھا تاکہ سُورج کی شعاعیں اس کے اوپر براہِ راست نہ پڑسکیں۔ شیشے کی نلی کے اندر، چاندی کی طرح چمکتی ہوئی چیز کی طرف اشارہ کرکے اقبال نے کہا "دیکھو انور، پارہ اس وقت ۲۵ درجہ پر اُترا ہُوا ہے یعنی پالے کے سات درجے ہو گئے ہیں۔ گزشتہ شب یہ ۱۸ درجہ تک اُتر گیا تھا یعنی پالا ۱۴ درجہ کا پڑا تھا۔ ۳۲ درجہ پر پانی جم کر برف بن جاتا ہے اگر گرمی اِس سے ذرا زیادہ ہو جائے تو برف پگھلنے لگ جاتی ہے۔ ۳۲ درجہ سے نیچے جتنے درجہ پارہ جاتا ہے اُتنا ہی زیادہ پالا پڑتا ہے اور برف سخت ہوتی جاتی ہے اگر آج رات پارہ زیادہ نیچے گیا تو کل برف پھسلنی نہ رہیگی۔"

یہ کہہ کر اقبال نے ایک چھوٹا سا مقناطیس جو پاس

ہی لٹکا تھا ہاتھ میں پکڑا اور اسے نلی کے اوپر پھیرا۔ نلی کے اندر ڈمبل کی شکل کی ایک چھوٹی سی سیاہ سوئی تھی۔ یہ سوئی مقناطیس کے ساتھ اوپر اُٹھ آئی اور جب اس کا ایک سرا پارہ کی سطح کو چھونے لگا تو یہ رُک گئی۔ اِس کے بعد دونو بھائی برف کی جھیل کی طرف روانہ ہو گئے۔

اقبال نے راستہ میں انور کو بتایا کہ پہلے یہاں ایک نالہ بہتا تھا جس کا پانی جھیل میں گرتا تھا۔ اور گرتے ہوئے پانی کے زور سے ایک پن چکی چلتی تھی جہاں آٹا پستا تھا۔ انور پن چکی کا حال سُن کر اپنے دل میں یوں سوچنے لگا "یہ سب کام میرے دوستوں نے کئے تھے۔ بادل کے بچے چکی کو گھماتے تھے لیکن وہ چکی کو صرف اِسی وجہ سے گھما سکتے تھے کہ انہیں بلندی سے گرنا پڑتا تھا مگر نیچے گرنے کے بعد وہ اپنے آپ پھر اوپر نہیں چڑھ سکتے تھے۔ اس لئے دراصل یہ سب کام خالہ گرمی کا ہے

وہی بادل کے بچّوں کو بُخارات بنا کر ہوا میں اُڑا لے جاتی ہے اور پھر وہ بادل بن کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر برستے ہیں جہاں سے وہ نالہ میں شور کرتے ہوئے بہتے ہیں۔ شاباش، میرے چھوٹے دوستو، تم بہت چالاک ہو لیکن میں چاہتا ہوں کہ خالہ سردی آج رات تمہیں برف بننے کا حکم دے تاکہ کل ہم برف کے اوپر کھیل سکیں"

اقبال نے چھڑی سے برف کو ٹٹول کر کہا "میں امید کرتا ہوں کہ برف کل تک خوب سخت ہو جائیگی۔ لیکن آج یہ میرا بوجھ نہیں سنبھال سکتی"۔

انور نے آگے بڑھ کر کہا "بھائی جان، میں آپ سے ہلکا ہوں آپ میرا ہاتھ تھامیں اگر میں نیچے جانے لگا تو آپ مجھے اوپر کھینچ سکیں گے"۔

پھر وہ چستی سے برف کے اوپر کھڑا ہو گیا۔ برف اس کا بوجھ تو سنبھال گئی لیکن کناروں پر سے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اقبال نے فوراً اسے کنارے پر

کھینچ لیا اور وہ کل کے کھیل کا ذکر کرتے ہوئے واپس گھر چلے گئے۔ آقبال نے وعدہ کے مطابق برف کا جوتہ انور کے بوٹ کے نیچے کس دیا تاکہ کل صبح وقت ضائع نہ ہو ٭

جب رات زیادہ گذر گئی تو انور کی اماں جان نے کہا "بیٹا اب سو جاؤ۔ کل تمہاری ورزش خوب ہو گی اس لئے آج رات تمہیں خوب سونا چاہیئے"۔ پھر اس نے پیار سے اس کا منہ چوما اور خدا حافظ کہہ کر اسے اسکے کمرہ میں بھیج دیا ٭
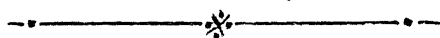
چھٹا باب

خلاؤں کی لڑائی

رات کڑاکے کی سردی پڑی۔ ستارے چمک رہے تھے۔ اور انور کو خالہ سردی اپنے ٹھنڈے نیلے لباس میں آسمان پر منڈلاتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ خوشی کے مارے انور کی آنکھوں سے نیند فرار ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے خالہ سردی کی آواز سُنائی دی "بچّو برف بنو" یہ سُن کر اس نے اپنے دل میں کہا "یہ ٹھیک ہے۔ اب ضرور کل صُبح جھیل پر سخت برف ہوگی۔ لیکن اس وقت تو میں اس کمرہ کو خوب گرم رکھونگا۔ اس کی گرمی سے جھیل کی برف

نہیں پگھلیگی۔"

انور نے انگیٹھی میں کوئیلے ڈالے اور چمٹے سے انہیں اُلٹ پلٹ کر اپنے پاؤں سینکنے کے لئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ "میں آپ کی بہت ممنون ہوں۔ اب میں اس جگہ تھوڑی دیر تک آرام سے ٹھہر سکتی ہوں۔" یہ آواز سُن کر انور نے مُڑ کر دیکھا تو اسے خالہ گرمی اپنے سُرخ لباس میں چھت کے پاس اُڑتی ہوئی نظر آئی۔

کمرے کے باہر خالہ سردی اپنے کام میں مصروف تھی وہ کھڑکی کے آئینہ سے اپنا مُنہ لگائے ہوئے یہ حُکم دے رہی تھی۔ "بچّو منجمد ہو جاؤ۔" اس حکم کے بعد کواڑوں اور کھڑکیوں کے شیشے دُھندلے ہو گئے اور پانی کے قطرے نیچے بہنے شروع ہو گئے۔ پھر اس نے ایک اور حُکم دیا۔ "بچّو منتبلّر ہو جاؤ۔"

انور نے حیران ہو کر کہا "جانے اس حُکم کا مطلب کیا ہے؟"

"میں تمہیں بتاتا ہوں" ایک چھوٹے سے بادل کے
بچّے نے جو کھڑکی کے آئینہ پر اُڑ رہا تھا کہا وہ چاہتی
ہے کہ ہم یہاں پھول پتّے بنائیں" یہ کہہ کر اُس نے اپنا
دامن پھیلایا اور شیشے کے اوپر نقش و نگار نظر آنے لگے۔
خالہ گرمی یہ دیکھ کر جھلّائی۔ اُس نے چلّا کر کہا "بچو
مائع بن جاؤ" یہ حکم سُن کر پھول پتّے غائب ہونے شروع
ہو گئے اور ان کی جگہ چھوٹے چھوٹے قطرے نیچے
بہنے لگے۔ لیکن باہر سے خالہ سردی برابر پکار رہی تھی،
"بچّو برف بن جاؤ" اور کبھی کبھی کہتی تھی "بچّو تبلّر ہو جاؤ"
اِس طور سے خالاؤں کے درمیان لڑائی جاری رہی
اور انور خالہ گرمی کی طرف داری کرتا رہا۔ اس نے کئی
دفعہ انگیٹھی میں تازہ کوئلے ڈالے۔ خالہ گرمی نے اپنے
چہرہ پر ہاتھ پھیر کر کہا "شاباش۔ جانِ من۔ شاباش میں
یہاں آگ کے پاس ٹھہر سکتی ہوں خواہ وہ باہر کچھ ہی
کرے۔ میرا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ وہ صرف ایک منفی

اِصطلاح ہے۔"

انور نے پوچھا، "اس سے آپ کا مطلب کیا ہے؟"

خالہ گرمی نے تمکنت سے سر ہلا کر کہا "میری مُراد یہ ہے جب ہم کہتے ہیں کہ کوئی چیز ٹھنڈی ہے تو ہمارا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس میں سے گرمی نکل کر کسی دوسری چیز میں چلی گئی ہے۔"

انور اس تشریح کو بخوبی نہ سمجھ سکا۔ لیکن جب وہ بستر پر لیٹنے لگا تو اُس نے کہا "براہِ مہربانی۔ آپ اِس وقت اس کو تام نہ رکھیں۔ مَیں اِسے خوش رکھنا چاہتا ہوں تاکہ وہ کل میرے کھیلنے کے لئے عمدہ سخت برف بنا دے۔"

ساتواں باب

برفانی قواعد

جب انور صبح سویرے اُٹھا تو اُس کو یہ دیکھ کر خوشی
ہوئی کہ رات کی لڑائی میں فتح خالہ سردی کو نصیب ہوئی ہے
کیونکہ سب چیزیں برف سے سفید نظر آرہی تھیں۔ اور
تپش پیما میں پارہ ۱۲ درجہ تک اُتر گیا تھا۔ زمین پتھر کی
طرح سخت تھی اور مطلع صاف تھا۔ انور نے تالی بجا کر کہا۔
"شاباش، خالہ سردی خوب بازی جیتی۔ اب ہم برف پر اچھی
طرح سے کھیل سکیں گے"۔
"پیارے بچّو، میں تمہیں انور کی برفانی کھیل کا حال
سُنانے کی بجائے بادل کے بچّوں کی بقیہ داستان سُنا

چاہتا ہوں اس لئے میں اتنا کہہ کر اس بات کو ختم کرتا ہوں
کہ کئی دفعہ پھسل کر اور گِر گِر کر انور آخر الامر برف پر چلنا سیکھ
گیا اور ٹھوکریں کھاتے کھاتے اسے اچھّی خاصی مشق ہو گئی۔
ایک دن جب انور برف کی جھیل پر سے کھیل کر
واپس آ رہا تھا تو برف کا طوفان آ گیا اور برف باری شروع
ہو گئی۔ انور پھول گھر میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا۔ "مجھے
دروازہ بند کر دینا چاہیئے ورنہ بے چارے پھول سردی
سے ٹھٹھر جائینگے"۔ جب دروازہ بند ہو گیا تو پھول گھر
خاصہ گرم ہو گیا کیونکہ گرم پانی دیواروں کے ساتھ لگی
ہوئی نلیوں میں بہہ رہا تھا۔ انور زمین پر گرے ہوئے
برف کے گالوں کو دیکھ رہا تھا کہ اس نے اپنے دوستوں
کو پہچان لیا۔ یہ وہی بادل کے بچّے تھے جو مختلف شکلوں
میں اِس سے پہلے اُسے مِل چکے تھے۔
انور نے خوش ہو کر کہا "تمہارا لباس کیسا خوشنما ہے!
اور اس پر سفید سفید ستارے چمکتے ہوئے کیسے بھلے

معلوم ہوتے ہیں!"

سب سے آگے والے بادل کے بچّے نے اپنا لباس پھیلا کر کہا۔ "دیکھو تو سہی، ہماری پوشش کیسی خوبصورت ہے!" انور کی تعریف سے بادل کے بچّہ کا دل باغ باغ ہو گیا۔

انور نے اُس سے پُوچھا "تم نے یہ بھڑکیلا لباس کیوں پہنا ہے؟ کیا تم کسی جلسہ میں جا رہے ہو؟" بادل کا بچّہ مسکرایا۔ "نہیں۔ ہم بادل کے بچّے ایسی فضول باتیں نہیں کرتے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہم سب ایک بلند بادل میں بخارات بنے ہوئے اُڑ رہے تھے۔ خالہ سردی وہاں جلدی سے پہنچ گئیں اور ہمیں متبلّر ہونے کا حکم دے دیا۔"

انور نے رات کی لڑائی یاد کر کے کہا "تمہیں یاد ہو گا کہ رات کو میرے کمرے میں خالہ گرمی اور خالہ سردی کے درمیان خوب لڑائی ہوئی تھی۔ اُس وقت بھی خالہ سردی

نے یہی حکم دیا تھا اور تم نے کھڑکی کے آئینہ کے اوپر وہ خوشنما پھول پتے بنائے تھے۔"

بادل کے بچے نے کہا "ہاں، مجھے یاد ہے۔ لیکن اس وقت ہم سب بخارات کی شکل میں تھے اور گزشتہ شب مائع حالت میں تھے اس لئے آج ہماری وضع قطع مختلف ہے۔ لیکن ہمیں ان احکام کے ماننے میں کوئی دِقت نہیں ہوتی۔ ورزش کی کتاب میں سب باتیں صاف صاف لکھی ہوئی ہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی جیب میں سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور ورق اُلٹنے لگا۔ "یہ دیکھو۔ برفانی قواعد۔ سب بچے الگ الگ جماعتوں میں، ــــ نہیں یہ نہیں ہے، پھر اُس نے نیچے کی سطریں پڑھیں اور تالی بجا کر کہا "یہ لو۔ اب میں نے پالیا ہے۔ وردی۔ سب بچے سفید کرتے پہنیں گے زیبائش۔ چاندی کے ستارے۔ ہر ایک ستارے کی چھ شعاعیں ہونگی۔ اس قاعدہ کی پابندی کے ساتھ ستارے

کسی ایک شکل کے ہو سکتے ہیں صرف چھ شعاعوں کا ہونا لازمی ہے۔" پھر اس نے اپنا لباس آنور کے سامنے پھیلا کر کہا۔" یہ دیکھو ہم نے اِن قواعد کے مطابق لباس پہنا ہے" آنور نے اس چمکیلے خوشنما لباس کی طرف ایک دفعہ اور دیکھا جب وہ اسے دیکھ رہا تھا اسے وہ لباس بڑا ہوتا ہوا معلوم ہُوا۔ جیسے وہ خوردبین سے کسی ننّھی چیز کو بڑا کر کے دیکھا کرتا تھا۔ اس نے سمجھا کہ ان کا لباس اس کے مطالعہ کے لئے بڑا ہو گیا ہے تاکہ وہ اسے بخوبی سمجھ سکے۔ اس نے دیکھا کہ ہر ایک بچّہ کا لباس مختلف وضع کا تھا لیکن سب میں چمکدار ستارے تھے اور ہر ایک ستارہ کی چھ شعاعیں تھیں جو کچھ آنور نے دیکھا تھا اس نے محنت کے ساتھ کاغذ پر لکھ دیا اور آنور کی کھینچی ہوئی شکلیں اوپر کی شکل (۷) میں دکھائی گئی ہیں۔

لباس دیکھنے کے بعد آنور نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ ابھی وہ شکریہ ادا کر رہا تھا کہ آنور کے قریب والے بادل
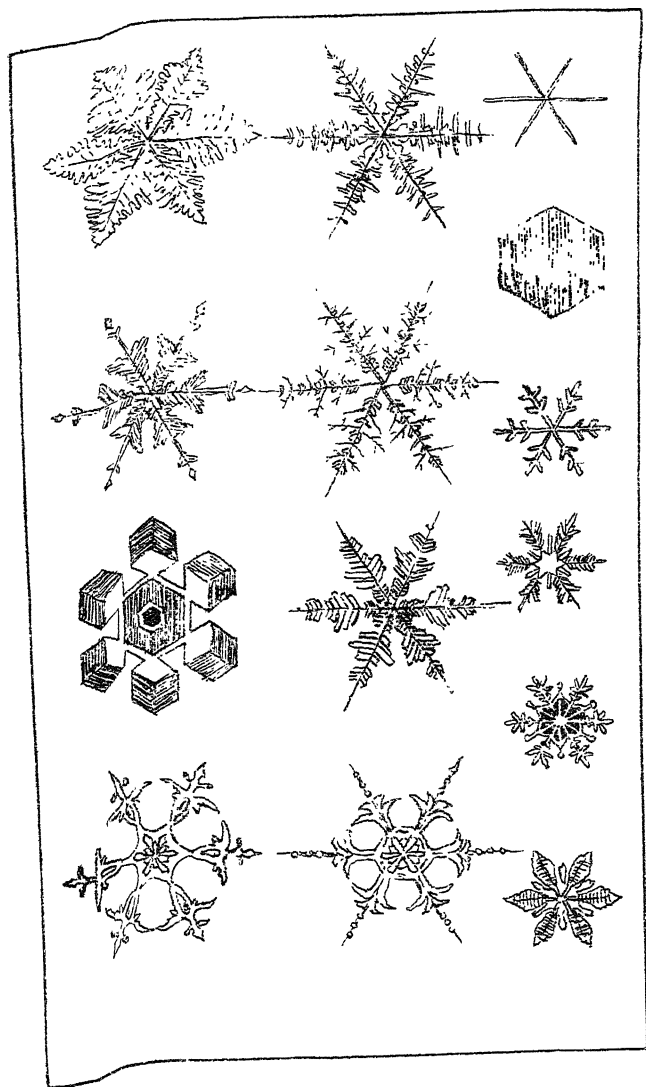
کے بچّے نے کہا: "یہ جگہ کتنی گرم ہے۔ دوستو میں سمجھتا ہوں، ہمیں مائع ہونا چاہیئے۔" یہ بات ختم نہ ہوئی تھی کہ انور کو فرش پر برف کے ریزوں کی بجائے پانی کے چند قطرے دکھائی دیئے۔ اس نے پانی کی طرف دیکھ کر کہا "الوداع پیارے دوستو۔ میں تمہاری باتیں کبھی نہ بھولوں گا۔"
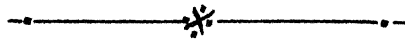
آٹھواں باب

ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں

سردیوں میں انور خالہ گرمی کے گیت گاتا تھا لیکن جب موسم بہار گذر گیا اور موسم گرما کا شباب آیا تو انور گرمی کے مارے تنگ آگیا سچ ہے آدمی کبھی ایک حال پر نہیں رہتا جس بات سے آج خوش ہوتا ہے کل اُسی سے ناخوش ہو جاتا ہے۔

پنجاب اور ہندوستان کے اکثر لوگ سری نگر میں گرمی بسر کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ انور کے تایا جان بھی مع اہل و عیال کشمیر کی سیر کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اور دریائے جہلم کے اوپر ایک "ہوس بوٹ" میں رہتے تھے

انور نے کبھی ہوس بوٹ اندر سے نہ دیکھی تھی۔ ایک روز
اُس کے ابا جان نے کہا" انور میاں، چلو آج تمہیں نثار اور
انوری کے پاس لے چلیں" راستہ میں انور نے پوچھا ابا جان
ہوس بوٹ کسے کہتے ہیں؟"

"ہوس بوٹ ایک قسم کی بڑی کشتی ہوتی ہے جس میں
گھر کی طرح کئی کمرے ہوتے ہیں۔ "ہوس" انگریزی میں گھر
کو کہتے ہیں اور "بوٹ" کے معنی کشتی ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ
کشتی بہت بڑی ہوتی ہے اِس لئے لوگ آرام سے اسکے
ندر دریا کے اوپر رہتے سہتے ہیں اور انہیں ڈوبنے کا کچھ
خطرہ نہیں ہوتا۔ کشتی پانی سے ہلکی ہوتی ہے اس لئے پانی
کے اوپر تیرتی رہتی ہے۔ عام طور سے اِسے کنارے
سے لگا کر مضبوط رسّوں سے باندھ دیتے ہیں ہر ایک
ہوس بوٹ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی ہلکی پھلکی کشتیاں ہوتی
ہیں جنہیں "شکارہ" کہتے ہیں۔ شام کے وقت لوگ شکاروں
میں بیٹھ کر دریا کی سیر کو نکلتے ہیں۔ بعض اوقات ہوس بوٹ

کو بھی کھینچ کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا ارادہ آج ہوس بوٹ کو چنار باغ لے جانے کا ہے تاکہ تمہاری تائی صاحبہ اور دونوں بڑی بہنیں قمر النسا بیگم اور زہرہ خاتون بھی باہر نکل کر سیر کر سکیں۔

جب انور ہوس بوٹ میں پہنچا تو اُس نے اپنے دوست نثار احمد کو الگ لے جا کر کہا "کیوں بھائی تمہیں معلوم ہے کہ بادل کے بچے ہمارے کیسے اچھے دوست ہیں۔ دیکھو تو سہی، انہوں نے مل کر سری نگر کی رونق دوبالا کر دی ہے۔ اس دریائے جہلم میں بادل کے بچوں کی بہت بڑی تعداد رہتی ہے اور سچ پوچھو تو دریائے جہلم نے سری نگر بلکہ کل کشمیر کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اگر بادل کے بچے یہاں بھی ویسے ہی شوخ اور شریر ہوتے جیسے کہ وہ بارہ مولا سے آگے ہیں تو بتاؤ تمہاری کشتی کا کہاں ٹھکانا ہوتا۔ میں حیران ہوں کہ بادل کے بچے ویری ناگ کے چشمہ سے لے کر بارہ مولا تک کیوں ایسے نیک اور

تین ہیں؟ یہاں دریا کی روانی محسوس تک نہیں ہوتی اسی
لئے تم آرام سے ہوس بوٹ کے اندر رہتے سہتے ہو" ۔

گُل مرگ کی سیر

انور اور نثار یہ باتیں کر رہے تھے کہ اُنھوں نے یہ آواز
سنی "کشتی کو چنار باغ لے چلو" آٹھ مانجھی لمبے لمبے بانس لے
کر کشتی کے باہر آ گئے پیچھے چلنے لگے اور کشتی تھوڑی دیر
میں ایک سایہ دار باغ کے پاس جا پہنچی۔ دھوپ سے
کشتی کے اندر شدت کی گرمی تھی لیکن چنار باغ پہنچ کر
گرمی کی شکایت جاتی رہی۔ شام کے وقت سب لوگ
سری نگر واپس آ گئے اور دوپہر کو گرمی نے انور کو بہت
ستایا۔ اس لئے اس نے نثار سے کہا "آؤ ہم مل کر ابا جان
سے کہیں کہ ہمیں گل مرگ کی سیر کرائیں وہاں خوب ٹھنڈک
ہوگی اور سُنا ہے وہاں گھاس کا بچھونا فرشِ زمین پر مخمل کی
طرح میلوں تک بچھا ہُوا ہے ۔

انور کے ابا جان نے کہا ہم خود ہی سوچ رہے تھے کہ کچھ دنوں کے لئے تمہارے تایا جان کو گل مرگ لے چلیں۔ نثار اور قمر کی صحت ناقص ہے۔ انشاء اللہ گل مرگ جا کر وہ ضرور تندرست اور توانا ہو جائینگے :

سری نگر سے گل مرگ کی سڑک دنیا کی بہترین سڑکوں میں سے ایک ہے۔ آٹھ میل تک شمشاد (سفیدے) کے درخت سڑک کے دونو طرف چوکیداروں کی طرح مستعد کھڑے ہیں۔ اصل میں یہ سڑک اسلام آباد سے شروع ہو کر تمام وادئی کشمیر میں سے گذرتی ہوئی بارہ مولا میں ختم ہوتی ہے۔ اسی لئے اس سڑک کو وادئی کشمیر کا محور بھی کہتے ہیں۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ سفیدے کے پیڑ نہایت عمدگی کے ساتھ دونو طرف معینہ فاصلہ پر لگائے گئے ہیں۔ درخت ایسے صحیح فاصلہ پر اُگے ہیں۔ کہ اس سڑک پر فرلانگ اور میلوں کی پیمائش ان کی تعداد سے کی جاتی ہے۔ ایک فرلانگ میں کم و بیش اسی پیڑ ہوتے

ہیں۔ بارھویں میل پر گل مرگ کی سڑک اس بڑی سڑک
سے الگ ہو جاتی ہے وہاں سے خفیف اونچائی شروع
ہو جاتی ہے اور پیر پنجال کی سر بفلک چوٹیاں صاف
نظر آنی شروع ہو جاتی ہیں۔

انور یہ منظر دیکھ کر خوشی کے مارے پھولا جامے میں
نہ سماتا تھا۔ تانگے میں بیٹھنا اس کے لئے محال ہو گیا۔
چپہ چپہ پر اس کا جی یہی چاہتا تھا کہ نیچے اتر کر صنعتِ
کردگار کا مطالعہ کرے۔ وہ تالیاں بجاتا تھا اور بار بار نثار
اور زہرہ سے کہتا تھا "دیکھو تو سہی یہاں کیسی شادابی ہے
یہ سب کام میرے دوستوں کا ہے۔ اگر بادل کے بچے یہاں
اس کثرت سے نہ ہوتے تو کشمیر باغِ ارم کیونکر بن سکتا؟
بادل کے بچے یہاں ہر جگہ بکثرت موجود ہیں۔ چشمے، دریا،
نالے، آبشار، قلۂ کوہ، وادیاں اور کشت زار، غرضیکہ ہر ایک
جگہ ان ہی کی رہینِ منت ہے"

اسی طرح باتیں کرتے کرتے موٹر تنگ مرگ پہنچ گیا۔

جہاں سے گلمرگ کی چڑھائی ایک دم شروع ہوگئی۔ "چیلوں" کی سرحد ختم ہو چکی تھی۔ یہاں ہر طرف دیوزاد دیوداروں نے جھنڈے گاڑ دئے تھے۔

جب انور گلمرگ پہنچا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے اقبال سے کہا "میں سچ کہتا ہوں یہ جگہ تو بہشت سے بھی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ گلمرگ اسم بامسمیٰ ہے۔ یہ واقعی "پھولوں کا کھیت" ہے۔ جدھر دیکھو۔ خوب صورت پھول سر اٹھائے کھڑے ہیں، قدرت کے مالی نے انہیں ایسی عمدگی سے لگایا ہے کہ باغوں کے مالی ان کے سامنے شرمندہ ہیں۔ مخملی سبزہ کا یہ صحن کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے اور پھر اسکے چاروں طرف دیوداروں کی دیوار سونے پر سہاگے کا کام دیتی ہے۔ میں تو یہاں سے کبھی نہیں جاؤنگا!"

اقبال نے متانت سے کہا "یہ سچ ہے کہ گلمرگ کشمیر بلکہ دنیا بھر میں بے نظیر ہے لیکن تم یہاں ہمیشہ

نہیں رہ سکتے۔سردی کے چار پانچ مہینے یہاں ہر ایک چیز برف کے نیچے دبی رہتی ہے اور بہت زیادہ سردی پڑتی ہے۔اُس وقت یہاں تمام تر خالہ سردی کا راج ہوتا ہے۔خالہ گرمی یہاں بھولے سے بھی نہیں آتی لیکن جب موسم بہار شروع ہوتا ہے تو برف پگھلنی شروع ہو جاتی ہے اور ایک دو ماہ میں گل مرگ کے آس پاس کی سب برف پگھل کر پانی بن جاتی ہے لیکن زیادہ بلند مقامات پر مثلاً کھلن مرگ اور افروٹ کی چوٹی پر برف کم و بیش تمام سال رہتی ہے۔

انور نے کہا "تو بھائی جان! کیا سردیوں میں یہاں کی سب روئیدگی فنا ہو جاتی ہے؟"

اقبال نے ہنس کر کہا "خدا کی یہ خاص نعمت ہے کہ جب یہاں موسم گرما میں برف پگھلتی ہے تو برف کے نیچے سے ہر ایک قسم کے گل و لالہ نہائے دھوئے نمودار ہوتے ہیں۔وہ نظارہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے"۔

گل مرگ میں تقریباً ہر روز بارش ہوتی تھی موسم بہت
ہی خوشگوار تھا۔ یہاں رہ کر انور اور اُس کے بہن بھائیوں
کی صحت پر بہت اچھا اثر پڑا۔ ہر ایک کا وزن کئی کئی سیر
بڑھ گیا وہ سارا دن چلنے پھرنے میں صرف کرتے تھے
اور حیران تھے کہ نہ تو طبیعت اُکتاتی ہے اور نہ ٹانگیں تھکتی
ہیں۔ سب بچّے دن میں کم ازکم ایک دفعہ ضرور نہاتے تھے
اُنہوں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا "تھوڑا کھاؤ۔ روز
نہاؤ۔ نہ بیمار پڑو۔ نہ حکیم پاس جاؤ" اور وہ سب اس پر
خوشی سے عمل کرتے تھے۔

ایک روز انور نہا کر آئینہ کے سامنے کھڑا اپنے بال سنوار
رہا تھا لیکن آئینہ دُھندلا ہو رہا تھا اور چہرے کا عکس
اس میں صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ انور نے نہاتے ہوئے
اپنا رومال بھگو لیا تھا اور اُسے نچوڑ کر کھونٹی پر ڈال دیا تھا
اس نے رومال کو اُتار کر آئینہ صاف کرنا چاہا لیکن آئینہ اور
زیادہ دُھندلا پڑ گیا۔ ہر چند انور نے کوشش کی۔ آئینہ

صاف نہ ہوتا تھا نہ ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر
ہر لحظہ کہر جمتی جاتی ہے۔ رومال بھی خشک نہیں ہوا تھا
انور پریشان کھڑا تھا کہ اسے آئینہ پر اپنا پرانا دوست
بادل کا بچہ نظر آیا۔ بادل کے بچے نے انور کی پریشانی دیکھ
لی تھی اس لئے اس نے انور کو سلام کر کے کہا "پیارے دوست
حیران کیوں ہو؟"

انور نے جواب دیا "کیا کروں! نہ تو رومال خشک
ہوتا ہے اور نہ آئینہ صاف ہوتا ہے۔ دیکھو تو سہی یہ
آئینہ کیسا دھندلا ہو رہا ہے"
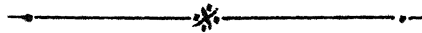
نواں باب

ہوا کی رطوبت

بادل کے بچّے نے کہا یہ تکلیف کئی دن رہیگی۔ آجکل اوّل تو بہت سے بادل کے بچّے ہوا میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اِسی لئے ہوا مرطوب ہے۔ دوئم بادل کے بچّے جو تمہارے رومال اور آئینے کے اوپر بیٹھے ہیں بخارات بن کر ہوا میں نہیں آسکتے کیونکہ اب ان کے لئے ہوا میں جگہ باقی نہیں رہی۔ تم جانتے ہو کہ ہوا میں اُڑتے وقت ہم اپنے بازو پھیلا کر اُڑتے ہیں اس لئے جب ہوا میں بادل کے بچّے زیادہ تعداد میں موجود ہو جاتے ہیں تو وہ دوسروں کو وہاں نہیں آنے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارا رومال

اور آئینہ خشک نہیں ہوتے۔ جب تک بادل کے بچے وہاں سے اُڑ کر ہوائیں نہ چلے جائیں وہ خشک نہیں ہو سکتے۔

انور نے متعجب ہو کر کہا "یہ بات ہے! لیکن دوست سنو تو سہی، میرے رومال میں تو پانی کی مقدار بہت تھوڑی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کشمیر میں دھوبی جب بڑے بڑے تولئے دھو کر ہوا میں پھیلاتے ہیں تو وہ فوراً خشک ہو جاتے ہیں بلکہ پنجاب میں تو تالابوں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ وہاں ہوا میں بادل کے بچے بہت کم ہوتے ہیں اور وہ خوشی سے گیلے کپڑوں اور تالاب میں رہنے والے بچوں کو ہوا میں آنے کے لئے جگہ دے دیتے ہیں اور چونکہ ہم بادل کے بچے ہوا میں اُڑنا زیادہ پسند کرتے ہیں اس لئے ہم خوشی سے کپڑوں اور تالابوں میں سے اُڑ کر ہوا میں آجاتے ہیں۔ یہاں دیکھو، میں اس آئینے

کے اوپر قید ہوں۔ بہت پر بازو پھیلاتا ہوں لیکن سب طرف سے مجھے دھکّے ملتے ہیں اور میں یہاں سے نہیں ہل سکتا۔"

انور نے کہا "میں سمجھ گیا۔ لیکن کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اب میں اپنا رومال کیسے خشک کر سکتا ہوں؟ دوست کہیں یہ نہ بتانا کہ مجھے نیچے کشمیر میں رومال خشک کرنے کے لئے جانا پڑے۔"

"نہیں تو۔ تمہیں اتنی دُور نہیں جانا پڑیگا۔ میں تمہیں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ تم اپنے رومال کو آگ کے سامنے تھوڑی دیر رکھو۔ خشک ہو جائیگا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ پہلی ملاقات میں، مَیں نے تمہیں بتایا تھا کہ خالہ گرمی آگ میں چھپی ہوتی ہے۔ اور وہ بادل کے بچّوں کو بخارات بننے کا حکم دیتی رہتی ہے۔ اس کا حکم سُن کر ہم بہت تیز اور مستعد ہو جاتے ہیں اور پھر آسانی کے ساتھ ہوا میں اُڑ کر جا سکتے ہیں۔ ہوا میں بادل کے بچّوں کے اُڑنے کو

تسخیر کہتے ہیں "

یہ باتیں سُن کر انور کو تسلّی ہوگئی اور اسے معلوم ہوگیا کہ بعض اوقات تسخیر کیوں تیز ہوتی ہے اور بعض اوقات کیوں سُست ہوتی ہے ۔

کِھلَن مرگ اور عفروٹ

انور نے جب گل مرگ کے تمام مناظر دیکھ لئے۔ تو اس نے ایک روز اپنے ابّا جان سے درخواست کی کہ اسے کِھلَن مرگ کی سیر کرائیں۔ چنانچہ اس کے والد صاحب نے ٹٹوؤں کا انتظام کیا اور سب مرد اور لڑکے صُبح سویرے روانہ ہوگئے ۔

کشمیر کے ٹٹو ایسے مریل ہوتے ہیں کہ انہیں لاٹھی سے پیٹنے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہیں وہ چلنے کا نام لیتے ہیں۔ گو انور نے ٹٹو کی سواری پہلے کبھی نہ کی

تھی لیکن شروع میں دوسروں کی دیکھا دیکھی اور تھوڑی دیر بعد ٹٹو کی سست روی دیکھ کر وہ نڈر ہو گیا اور ہنسی خوشی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تقریباً دو گھنٹے میں کھلّن مرگ پہنچ گیا۔ کھلّن مرگ اپنے رنگ برنگ پھولوں کے لحاظ سے گل مرگ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ انور نے ایک دفعہ یہ شعر کہیں پڑھا تھا ؎

اگر فردوس بر روئے زمین ست
ہمین ست و ہمیں ست و ہمین ست

ترجمہ:۔ اگر دنیا میں کوئی بہشت ہے تو وہ یہی ہے)

کھلّن مرگ پہنچ کر بے ساختہ یہ شعر اس کے منہ سے نکلتا تھا اور وہ بڑے سرور اور سُر کے ساتھ ہر طرف پھول توڑتا اور یہ شعر گاتا پھرتا تھا۔

کھلّن مرگ سے پہاڑ کی سر بفلک سیدھی دیوار شروع ہو جاتی ہے اور عفروٹ کی چوٹی بمشکل دکھائی دیتی ہے گردن اٹھا کر اوپر دیکھنے سے اندیشہ ہوتا ہے کہ ٹوپی

سر سے گر پڑیگی۔ چونکہ اس مقام کی بلندی سطح سمندر سے
پندرہ سولہ ہزار فٹ کے قریب ہے اِس لئے تقریباً تمام
سال یہاں برف جمع رہتی ہے۔ کھلّن مرگ سے تھوڑی
دُور اوپر چڑھ کر "برف کا دریا" شروع ہو گیا۔
انور کو سب سے اونچی چوٹی پر پہنچنے کا بہت شوق
تھا اس لئے اب وہ جلدی جلدی قدم اُٹھاتا تھا۔
کھلّن مرگ سے نصف میل اوپر چڑھ کر ٹٹّو چھوڑ
دیئے گئے۔ کیونکہ اب چڑھائی بہت زیادہ تھی اور سوار
گھوڑوں کی دُم تک لُڑھک آتے تھے۔ جب دو گھنٹے
کی محنتِ شاقہ کے بعد انور عُفرُوٹ کی چوٹی تک پہنچ گیا
تو اُسے بہت خوشی ہوئی اس نے خیال کیا کہ اب وہ سب
سے بلند جگہ تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن جب اس نے اِدھر
اُدھر نظر دوڑائی تو اس کا خیال غلط ثابت ہُوا۔ جو نظّارہ
اِس نے وہاں دیکھا وہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا
دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا

گویا کہ بادل اس کے پاؤں کے نیچے ہیں اور وہ آسمان کے اوپر بیٹھا ہوا ہے۔ سامنے دور فاصلہ پر ہنر مکھ کی برفانی چوٹی نظر آتی تھی۔ جب انور کو یہ معلوم ہوا کہ ہنر مکھ کے معنی چہرہ خدا ہیں تو اُس نے کہا سبحان اللہ۔ العظمۃ للہ! واقعی نام رکھنے والے نے خوب نام رکھا ہے۔ گو خدا نظر نہیں آتا لیکن اگر خدا کا چہرہ نظر آ سکتا تو ضرور ایسا ہی خوب صورت ہوتا۔

غفروٹ سے کچھ فاصلے پر الپتر کی جھیل تھی۔ انور کو اچنبھا ہوا کہ ایسی بلندی پر یہ جھیل کیسے پیدا ہو گئی۔ جو رہنما اُن کے ہمراہ تھا اُس نے انور سے کہا صاحبزادے یہ جھیل بہت گہری ہے اور اس کی تہ کا آج تک کسی کو پتہ نہیں چل سکا۔ اس کے اردگرد مدفون جانوروں کے آثارِ حجری پائے جاتے ہیں اور تعجب کی بات ہے کہ یہاں بعض ایسے جانوروں کی ہڈیاں پائی گئی ہیں جو سمندر کے سوائے اور کہیں نہیں پائے جاتے۔

آقبال نے کالج میں سائنس کا کورس لیا تھا اور اُسے
علم طبقات الارض کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اس نے
رہنما کی یہ باتیں سُن کر انور سے کہا: "ننھے بھائی۔ بڑے ہو کر
یہ سب باتیں تمہیں آسان معلوم ہونگی۔ یہاں ایک زمانہ
میں سمندر تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ جگہ زمانۂ قدیم میں
سطح سمندر کے نیچے تھی۔ خشکی اور تری کو قیام نہیں ہے
جہاں آج خشک زمین ہے وہاں کل وسیع سمندر تھا او
آج جہاں سمندر کی لہریں تھپیڑے مار رہی ہیں۔ وہاں
صدیوں پہلے جنگل و بیابان تھے۔ یہ سب باتیں ارضیات
کے نصاب میں پڑھائی جاتی ہیں۔ آج سے چند سو سال
پہلے لوگ توہم پرست اور ناقص الاعتقاد ہوتے تھے و
کسی بات کی تہ تک نہیں پہنچتے تھے بلکہ مافوق الفطرت
اسباب کو مان کر اپنی تسلّی کر لیتے تھے۔ علوم جدیدہ کی یہ
ایک ممتاز خصوصیت ہے کہ اس میں معقول پسندی کا
سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑا جاتا۔

انور یہ عالمانہ تقریر سُن کر دنگ تھا۔ اس کی حیرت دیکھ کر اس کے بھائی نے عذر خواہی کے طور پر کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے مشکل الفاظ استعمال کئے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے۔ انشاء اللہ میں تمہیں کسی وقت مفصّل طور پر علم الارض کی ابتدائی اور عام فہم باتیں سمجھاؤں گا"

انور نے بھائی جان کا شکریہ ادا کیا اور ایک چٹان کے اوپر چڑھ کر برف سے کھیلنے لگا۔ بہت سی برف جمع کر کے اُس نے ایک آدمی بنایا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ برف کا بُت ویسے کا ویسا کھڑا رہا حالانکہ سُورج چمک رہا تھا۔ اس کے بھائی جان نے اسے بتایا کہ یہاں بلندی کے باعث ہوا اتنی خنک ہے کہ اس کا درجۂ حرارت ۳۲ درجے سے کچھ ہی اوپر ہے۔ اسی لئے جھیل کا پانی سب جما ہوا ہے۔ اور کھڈ برف سے پٹی پڑی ہے۔

یہ کہہ کر اقبال ایک ہتھوڑا اور محدّب شیشہ لے کر

پتھروں کے مطالعہ کے لئے ایک طرف چلا گیا اور انور اکیلا
رہ گیا۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ اور اسے چکّر آ
رہے تھے۔ وہ حیران تھا کہ ایسی صاف اور کُھلی ہوا میں درد
سر کیوں ہو رہا ہے۔ غم غلط کرنے کے لئے اُس نے اپنے
دوست بادل کے بچّے کی باتیں یاد کرنا شروع کیں۔ وہ چاہتا
تھا کہ اس کا دوست اسے ملے اور بتائے کہ تبخیر یہاں بھی
ہوتی ہے یا نہیں۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ برف
کے ٹکڑے میں سے ایک بادل کا بچّہ اُڑ کر اس کے
ہاتھ پر آ بیٹھا اور کہنے لگا "سلام۔ چھوٹے دوست سلام۔
ہم دُنیا میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ لیکن پہاڑوں
کی برفانی چوٹیوں پر ہماری تعداد میدانوں سے بہت
کم ہوتی ہے۔ یہاں ہوا بہت لطیف ہوتی ہے۔ اور
بہت تھوڑے بادل کے بچّے اِس میں اُڑ سکتے ہیں۔
اس کے علاوہ خالہ سردی ہمیں ہر وقت یہاں منجمد ہونے
اور برف بننے کا حکم دیتی رہتی ہے۔ اس لئے ہم ہوا میں

کھیل کود نہیں سکتے۔ برف کے ساتھ جو ہوا چھو کر نکلتی
ہے اس کے بخارات جم کر برف بن جاتے ہیں لیکن تم
اس سے یہ نہ سمجھو کہ ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر بادل کے
بچے بالکل قید ہیں۔ اس برف میں سے بھی بعض من چلے
بادل کے بچے ہر وقت اُڑتے رہتے ہیں اور برف سے
بھی تبخیر جاری رہتی ہے۔ لیکن اب مجھے یہاں سے جانا
چاہیئے۔" بادل کا بچہ انور کو سلام کہہ کر رخصت ہو گیا۔ اور
انور سر کے درد کے مارے وہیں بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اقبال خوش خوش وہاں آیا اور انور
کو ایک خوشنما بلور کا ٹکڑا دکھا کر کہنے لگا "انور میاں۔ دیکھو
ہم نے کیا اچھی چیز پائی ہے۔ اسے میں اپنے پروفیسر
صاحب کو دونگا اور وہ اسے کالج کے عجائب گھر میں
ٹکٹ لگا کر شیشہ کی الماری کے اندر محفوظ رکھیں گے
اگر میرے سر میں درد شروع نہ ہو جاتا تو میں بہت سے
پتھر جمع کر کے لاتا۔

B
D
F
C
A
E
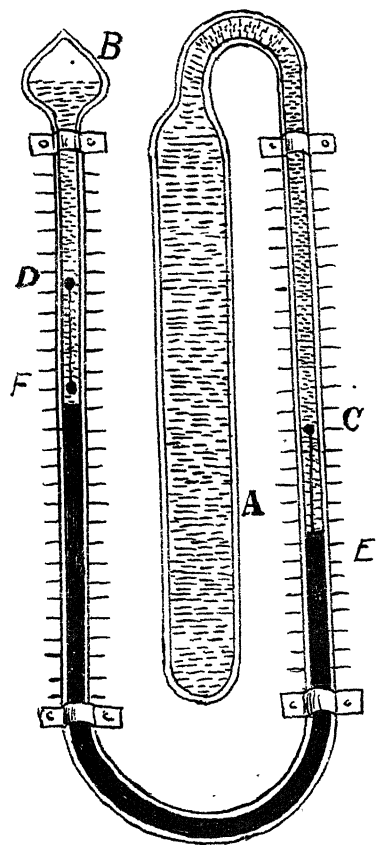
انور نے چلا کر کہا "یہ کیا بات ہے! میرا سر بھی دکھ رہا ہے"
اقبال نے کہا "وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم یک لخت ہوا کے اعلیٰ طبقات میں چڑھ آئے ہیں۔ یہاں ہمیں سانس لینے کے لئے کافی ہوا نہیں ملتی کیونکہ یہاں کی ہوا بہت لطیف ہے۔ اس درد کا علاج یہی ہے کہ آدمی آہستہ آہستہ اوپر چڑھے اور راستہ میں ٹھہرتا ہوا آئے۔ نیز پیاز اور کیک کھانے سے بھی ایسے درد کو بہت افاقہ ہوتا ہے۔ یہ لو تھوڑا سا کیک کھا لو"
انور نے کیک لیکر شکریہ ادا کیا اور پوچھا "بھائی جان۔ میں آپکی سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی"
اقبال نے کہا "پیارے بھائی شوق سے جتنے سوال چاہو پوچھو میں تمہاری اِس عادت سے بہت خوش ہوں۔ اور ابا جان بھی تم سے اسی لئے خوش ہیں کہ تم ہر ایک بات جو

تمہاری سمجھ میں نہیں آتی پوچھ لیتے ہو۔ علم اسی طرح حاصل ہوتا ہے اور میں نے جو کچھ سیکھا ہے اس کا بہترین استعمال یہی ہے کہ دوسروں کو بھی سکھاؤں "علم نافع" کی مثال صدقۂ جاریہ کی سی ہے۔ اسکے فیض سے خلقِ خدا کو بہت فائدہ پہنچتا ہے ۔

انور نے کہا بھائی جان! میں حیران ہوں کہ بخارات برف کے اوپر سے بھی اُٹھتے رہتے ہیں ۔

اقبال نے جواب دیا اس میں حیرانی کی کیا بات ہے تبخیر ہر وقت اور ہر جگہ ہوتی رہتی ہے۔ قطب شمالی کے اوپر جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے دیکھا گیا ہے کہ برف کے اوپر سے رات کے وقت بھی بخارات اُٹھتے رہتے ہیں۔ لیکن اب دیر ہو گئی ہے آؤ ابّا جان سے چل کر کہیں کہ گل مرگ واپس چلیں ۔

دسواں باب

برف کا دریا ۔ سیل یخ یا گلیشیر

جب انور اور اس کے ساتھی کھلن مرگ واپس آئے تو رہنما نے انہیں پتھروں کے نیچے بہتا ہوا ایک چشمہ دکھایا۔ اس چشمے کا پانی یخ جیسا ٹھنڈا تھا۔ انور نے اس میں ہاتھ ڈالا تو اُس کا ہاتھ ایک منٹ کے بعد بالکل ٹھٹھر گیا۔ اقبال نے انور سے یہ شرط لگائی کہ اگر تم دو منٹ تک اپنا ہاتھ پانی کے اندر رکھے رہو تو میں تمہیں ایک خوردبین انعام میں دونگا۔ اس لئے گو انور کا بازو یخ کی طرح ٹھنڈا ہو گیا تھا اور اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی تاہم وہ مستقل مزاجی سے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا رہا جب دو منٹ گزر گئے تو سب نے انور کو شاباش کہا

انور کے ابّا جان نے کہا "انور تمہیں معلوم ہے کہ یہ پانی برف کے دریا سے آرہا ہے"

انور "جی ہاں۔ بھائی جان نے ایک روز مجھے برف کے دریا کا کچھ حال بتایا تھا"

اس کے بعد سب نے مل کر ناشتہ کیا اور آرام کے لئے تختہ ہائے گل پر لیٹ گئے۔ انور چشمہ کے پاس جا بیٹھا اور اپنے دوست بادل کے بچّے کو یاد کرنے لگا۔ چشمے میں سے ہلکی سی پھوار اُڑ رہی تھی۔ انور اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس نے ایک خوب صورت بادل کے بچّے کو بازو پھیلائے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا۔ انور نے خوش ہو کر اس کا خیر مقدم کیا اور کہا "پیارے دوست۔ میں تمہیں یاد کر رہا تھا۔ ابھی ابّا جان نے مجھ سے برف کے دریا کے متعلق پوچھا تھا اور میں نے اپنی ناواقفیت چھپانے کے لئے کہہ دیا تھا کہ مجھے اس کا کُل حال معلوم ہے۔ اب تم بتاؤ کہ برف کا دریا، کیسے کتنے ہیں اور یہ کیونکر بنتا ہے"؟

بادل کے بچّے نے متانت سے کہا "جھوٹ بولنا بہت بُری عادت ہے۔ علم ہمیشہ اپنی جہالت کے اعتراف سے حاصل ہوتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ تم نے میرے سامنے سچ کہہ دیا ہے۔ خیر گزشتہ را صلوات و آئندہ را احتیاط۔ مضیٰ مامضیٰ۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا۔"

"موسمِ سرما میں بلند پہاڑوں پر برف خوب پڑتی ہے۔ زیادہ بلندی کے اوپر یہ برف سال بھر نہیں پگھلتی۔ جس بلندی کے اوپر برف سال بھر منجمد رہتی ہے اِسے خطِ یخ کہتے ہیں۔ کشمیر میں خطِ یخ سطحِ سمندر سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے لیکن یورپ میں پانچ چھ ہزار فٹ پر ہی سال بھر برف جمع رہتی ہے اور منطقۂ باردہ میں تو سطح سمندر پر ہی سال بھر برف جمع رہتی ہے۔ موٹا قاعدہ یہ ہے کہ خطِ استواء کے قریب خطِ یخ بہت بلند واقع ہوتا ہے اور جوں جوں قطبین کی طرف جاتے ہیں خطِ یخ نیچا ہوتا جاتا ہے"

"جب بہت سی برف خطِ یخ کے قریب جمع ہو جاتی ہے

تو ڈھلوان کے باعث نیچے وادیوں اور کھڈوں میں پھسل آتی ہے۔ برف کے بہت بڑے تودے جو پہاڑوں کے پہلوؤں پر نیچے پھسلتے آتے ہیں "سیل یخ" یا برف کے دریا کہلاتے ہیں۔ انہیں انگریزی میں "گلیشیر" کہتے ہیں۔ اور یہ ایک طرح سے پانی کے منجمد دریا ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی پانی کے دریا کی طرح حرکت کرتے ہیں۔"

انور نے حیران ہو کر کہا "کیا وہ برف کا دریا جہاں ہم ابھی گئے تھے سچ مچ بہتا ہے۔ مجھے تو اس کی حرکت نظر نہیں آئی تھی۔"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اس کی رفتار بہت ہی سست تھی۔ شبانہ روز میں بمشکل چند انچ آگے چلتا ہوگا۔ تمہارے پاس گھڑی ہے۔ اسے نکال کر گھنٹے کی سوئی کی طرف دیکھو بظاہر یہ ساکن دکھائی دیتی ہے لیکن تم جانتے ہو کہ یہ دن رات میں دو چکر لگاتی ہے آدمی کو اور دوسرے حیوانات کو بھی سست حرکت نظر نہیں آتی۔ ایک دلچسپ بات

تمہیں بتاتا ہوں۔ اگر تم مکّھی کے پاس چُپکے سے اپنا ہاتھ لے جاؤ تو تم اُسے پکڑ سکتے ہو۔ اگر تمہارے ہاتھ کی رفتار دو انچ فی منٹ سے کم ہو تو مکّھی یہی سمجھیگی کہ تمہارا ہاتھ حرکت نہیں کر رہا۔ مکّھی کو دو انچ فی منٹ کی رفتار والی متحرک اشیاء ساکن نظر آتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بعض اوقات بعض بچّے مکھیّوں اور بھڑّوں کو چپکے سے ہاتھ پھیلا کر پکڑ لیتے ہیں" ؛

انور نے بادل کے بچّے کا شکریہ ادا کیا اور کہا " یہ تو سب کچھ ہُوا لیکن ہم کو یہ بات کیونکر معلوم ہو سکتی ہے کہ برف کا دریا سچ مُچ حرکت کرتا ہے "

" بعض جگہ جہاں پہاڑ کا پہلو زیادہ ڈھلوان ہوتا ہے اُس کی حرکت صاف نظر آتی ہے کیونکہ وہاں یہ تیزی سے بہتا ہے۔ لیکن میں تمہیں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں جسے چند دانا آدمیوں نے دریافت کیا تھا۔ برف کے دریا کے دونو کناروں پر دو بڑے پتھروں پر نشان لگادو اور اُن کے درمیان لکڑی کی چند کھونٹیاں ایک سیدھی

قطاریں گاڑ دو۔ اگلے روز آکر دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ سب کھونٹیاں نشان سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ ایک اور عجیب بات تم یہ دیکھو گے کہ بیچ والی کھونٹیاں کنارے والی کھونٹیوں سے ذرا آگے ہونگی۔ اور کھونٹیوں کی قطار جو پہلے روز سیدھی تھی اب قوس کی طرح خمدار نظر آئیگی کیوں کہ برف کا دریا کناروں کی نسبت وسط میں زیادہ تیز بہتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کناروں پر برف چٹانوں اور پتھروں کے باعث رُکی رہتی ہے اور ویسی تیز نہیں بہہ سکتی۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کچھ شور سُنائی دیا۔ بادل کے بچّے نے کہا "سننا۔ یہ برف کے دریا کے ٹوٹنے کی آواز ہے۔ کبھی برف ایسی جگہ پر پہنچ جاتی ہے جہاں نیچے بہت گہرائی ہوتی ہے۔ وہاں یہ زور سے گرتی ہے اور شور سُنائی دیتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ برف کی سطح اوپر سے صحیح سلامت رہتی ہے لیکن نیچے

سے ٹوٹ جاتی ہے۔ جب مسافر اس کے اوپر قدم رکھتا ہے تو برف ٹوٹ جاتی ہے اور وہ نیچے تہہ پر گر پڑتا ہے ایک دفعہ ایک مسافر کی لاش برف کے دریا کے نیچے کے سرے پر اس کی موت سے ۴۰ برس بعد پائی گئی تھی۔"

"کتنی افسوس ناک بات ہے! لیکن دوست یہ بتاؤ کہ برف کے دریا کے اوپر سیاہ رنگ کی لمبی لکیریں کیسی ہوتی ہیں۔ دُور سے ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ریل کی پٹریاں بچھی ہوئی ہیں۔"

"وہ لکیریں "وسطی مورین" کہلاتی ہیں۔ مورین پتھروں کی اُس لکیر کو کہتے ہیں جو پہاڑ کے پہلوؤں پر سے برف کے اوپر پتھر گرنے سے بن جاتی ہے۔ برف کے دریا کے ساتھ ساتھ یہ پتھر بھی آگے حرکت کرتے جاتے ہیں۔"

"لیکن پتھر دریا کے بیچ میں کیسے آجاتے ہیں؟ اور یہ وسطی مورین کس طرح سے بنتے ہیں پہاڑ کے پہلوؤں پر سے

پتھر گر کر بیچ میں کیونکر جا سکتے ہیں؟"

"تمہیں یاد ہوگا کہ چھوٹے ندی نالے بڑے دریاؤں میں آ ملتے ہیں"

"ہاں۔ جغرافیہ میں انہیں معاونِ دریا کہتے ہیں"

"ٹھیک ہے۔ برف کے دریا کے بھی ایسے ہی معاون ہوتے ہیں۔ جب برف کے دو دریا ملتے ہیں تو اُن کے اندرونی کناروں پر کے پتھروں کی لکیریں باہم مل جاتی ہیں اور اس طرح سے پتھروں کی ایک لکیر دریا کے بیچوں بیچ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو وسطی مورین کہتے ہیں"

انور نے سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ کر کہا "دیکھو وہ سوئی کی طرح نوک دار پہاڑ کی چوٹی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ نوکدار کیسے بن گئی ہے؟"

بادل کے بچے نے فخر سے کہا "اسے بھی ہمیں نے نوک دار بنایا ہے۔ ہزارہا برس پہلے یہ نوکدار چوٹی
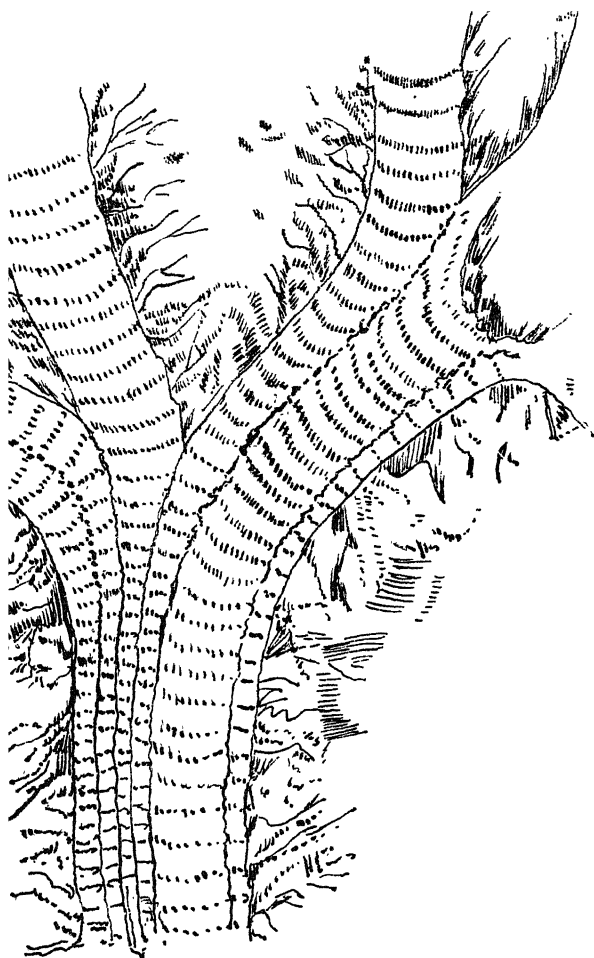
بھی دوسرے پہاڑوں کی طرح چوڑی تھیں۔ برف کے
موسم میں ان کے اوپر برف جمع ہوتی رہتی ہے۔ دن کے
وقت سورج کی گرمی سے تھوڑی سی برف پگھل کر نیچے
شگافوں اور دراڑوں میں جمع ہوجاتی ہے۔ رات کے
وقت خالہ سردی آکر پھر برف بننے کا حکم دیتی ہے تمہیں
یاد رکھنا چاہیئے کہ جب بادل کے بچّے برف بنتے ہیں تو
وہ ہمیشہ بڑے ہوجاتے ہیں اس لئے جب پانی دراڑ
میں برف بنتا ہے تو بڑے زور سے اس کو پھاڑ دیتا ہے
اس طرح روز بروز پہاڑ کے ٹکڑے پھٹتے رہتے ہیں یہاں
تک کہ ساری چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے۔ اور
صرف ایک نوک دار چوٹی باقی رہ جاتی ہے۔ چونکہ
اس کے پہلو اب بہت ڈھلواں ہوتے ہیں اس لئے
برف ان پر جمع نہیں ہوسکتی اور ہمارا کام وہاں ختم ہو
جاتا ہے۔ لیکن اب تمہارے ابّا جان گل مرگ جانے کی
تیاری کر رہے ہیں اور تمہیں بُلا رہے ہیں اس لئے میں

رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ"

جب انور اور اُس کے ابّا جان گل مرگ پہنچے تو نوکر نے انہیں ایک تار دیا۔ تار کا مضمون یہ تھا "شملہ فوراً آجائیے۔ تین سال کے لئے آپ کو وائسرائے کی کونسل واضع قوانین کا ممبر مقرر کیا جاتا ہے۔ کونسل کا اجلاس ۱۵ جولائی سے شروع ہوگا"

انور نے کہا "ابّا جان ابھی آپ کے شملہ تشریف لے جانے میں دس دن باقی ہیں۔ بھائی نثار کو گاندربل کی سیر ضرور کرانی چاہیئے۔ وہاں بھوک خوب لگتی ہے۔ سندھ کے نالہ کا پانی بہت ہی اشتہا آور ہے۔ "لائم واٹر" کی طرح سفید ہوتا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ جن پہاڑوں سے وہ نالہ نکلتا ہے وہاں چونے کے پتھر ہیں جو پانی میں گھُل جاتا ہے۔ اور چونے کا محلول خوراک کو بہت جلد ہضم کر دیتا ہے"

انور کے ابّا جان نے کہا "میں گاندربل نہیں جاسکوں گا

ہاں تمہاری سیر کے لئے وہاں ہر ایک قسم کا بندوبست ہو جائیگا۔ لیکن تم تو شملہ جانے کے بہت خواہشمند تھے"
انور نے آخر کار یہی فیصلہ کیا کہ گاندربل کی سیر ملتوی کی جائے۔ شملہ جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں انور کے ابا جان نے گل مرگ سے سری نگر جانے کا سب انتظام چند گھنٹوں میں ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ انور کو گل مرگ سے اترائی کا بہت لطف آیا۔ ڈھلوان کے باعث رفتار خواہ مخواہ تیز ہوتی جاتی تھی اور طبیعت دَوڑنے کو چاہتی تھی۔ لیکن دوڑتے ہوئے گر پڑنے کا خدشہ لگا رہتا تھا اس لئے رفتار مدھم کرنیکے لئے وہ جس طرح اپنی بائیسکل کے "بریک" لگایا کرتا تھا اسی طرح اپنی ٹانگوں کو کڑا کر کے اور اپنا بوجھ پیچھے ڈال کر اپنی "بریک" لگاتا تھا۔ تنگ مرگ سے سری نگر کا راستہ ہنسی خوشی کے ساتھ موٹر کار میں کٹ گیا اور سری نگر پہنچ کر شملہ کے لئے رختِ سفر بندھنا شروع ہو گیا۔

گیارھواں باب

بھاپ کی طاقت

انور نے جب سے ہوش سنبھالا تھا کشمیر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ اس نے ریل گاڑی کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ اس لئے اسے راولپنڈی پہنچنے اور وہاں سے ریل سوار ہونے کا بے حد اشتیاق تھا۔

مثل مشہور ہے انتظار کی گھڑیاں لمبی ہوتی ہیں۔ وفور شوق کے باعث انور کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شملہ

جانے میں ایک مدت باقی ہے۔ خدا خدا کرکے اس نے
باقی ماندہ پانچ دن گذارے۔ آخرکار ایک دن وہ صبح
سویرے موٹر میں بیٹھ کر سری نگر سے اپنے والد کے
ہمراہ روانہ ہوگیا۔ بارہ مولا تک وادیٔ کشمیر کے خوشگوار
مناظر آنکھوں کے سامنے رہے۔ بارہ مولا سے آگے
دریائے جہلم کے کنارے پہاڑوں میں سے کاٹ کر موٹر کی
سڑک نکالی گئی ہے۔ یہ نظارہ بھی عجیب ہے۔ سڑک
سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی دریا کے ساتھ ساتھ چلی جاتی
ہے۔ نیچے دریا، پتھروں اور چٹانوں کے اوپر اُچھلتا ہوا
بہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیوانہ اپنا سر
پتھروں پر مار رہا ہے۔ انور کو بارہا یہ خیال ستاتا تھا کہ
اس کے دوست بادل کے بچّوں کو یہ کیا سوجھی ہے جو
ناحق اپنے پر بازو توڑ رہے ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے
ابّا جان سے پوچھا کہ دریا کا پانی ایسے زور سے کیوں بہتا ہے؟
اس کے ابّا جان نے جواب دیا۔ پانی ہمیشہ بلندی

سے نیچے بہتا ہے۔ تم نے اپنی کتاب میں پڑھا ہوگا۔ کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ چونکہ یہاں دریا کا پانی سطحِ سمندر سے کئی ہزار فٹ اونچا ہے اس لئے یہ سمندر کی طرف بہہ رہا ہے۔ یہاں چونکہ دریا کی تہہ زیادہ ڈھلوان ہے اور تہہ پر پتھر پڑے ہوئے ہیں اس لئے دریا اتنے زور سے بہہ رہا ہے۔"

موٹر کی تیزی اور دریا کی لہروں کے شور سے انور کا سر چکرانے لگا اور قریب تھا کہ انور آنکھیں بند کر کے سو جاتا کہ موٹر یک لخت رُک گیا۔ انور نے غور سے دیکھا تو اسے عین راستہ میں ایک بہت بڑا پہاڑ گرا ہُوا نظر آیا گزشتہ شب بہت زور کی بارش ہُوئی تھی اس لئے پہاڑ کے پھسلنے سے راستہ بند ہو گیا تھا۔ بہت سے مزدور راستہ صاف کر رہے تھے۔ انور اور اُس کے ابا جان پتھروں کے اوپر سے چل کر دوسری طرف صاف سڑک پر پہنچ گئے اور تھوڑی دیر بعد ان کا موٹر بھی اُدھر آ گیا سوار

ہونے کے بعد انور کے والد نے کہا "بعض اوقات پہاڑ
کے گر پڑنے سے ندی کا پانی بالکل رُک جاتا ہے اور
اس کا بہاؤ بند ہو جاتا ہے۔ اس رکاوٹ کا نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ دریا میں پانی کی بلندی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور
جب آخرکار پانی کے زور سے رُکاوٹ آگے سے بہہ
جاتی ہے تو پانی کی طغیانی سے گاؤں کے گاؤں تباہ اور
برباد ہو جاتے ہیں"

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے موٹر کوہالہ آپہنچا۔ یہ جگہ
بہت گرم تھی۔ یہاں دریائے جہلم بالکل سڑک کے برابر
بہتا ہے۔ انور نے اس جگہ خالہ سروی اور اپنے دوست
بادل کے بچے کو دل ہی دل میں بہت یاد کیا۔ کوہالہ سے
موٹر اوپر چڑھنے لگا اور جب وہ کوہِ مری پر آپہنچے تو انور
کو خوشگوار خنکی محسوس ہوئی۔ چونکہ گاڑی کا وقت قریب
تھا۔ اِس لئے کوہِ مری میں قیام کئے بغیر وہ سیدھے راولپنڈی
چلے گئے۔

انور کے والد نے سری نگر سے تار بھیجا تھا کہ کلکتہ میل میں ان کے لئے دو جگہیں خالی رکھی جائیں۔ اس لئے راول پنڈی پہنچتے ہی وہ آرام کے ساتھ ریل گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گارڈ نے سیٹی بجائی اور اپنی جھنڈی ہلائی۔ انجن نے اس کا جواب ایک کان پھاڑنے والی چیخ کے ساتھ دیا۔ پھر اس نے بہت سی بھاپ خارج کی اور گاڑی آہستہ آہستہ چل دی۔ پھک پھک کا شور تیز ہوتا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد انور اس شور کا عادی ہو گیا سفر کی تھکن سے اس کا بدن چُور چُور ہو رہا تھا۔ اِس لئے وہ آرام کرنے کے لئے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

دن بھر کے سفر کے بعد انبالہ چھاؤنی آئی اور کالکا پر گاڑی بدل گئی۔ اگلی صُبح کو جب آنکھ کُھلی تو اسے ایک پُر فضا منظر نظر آیا۔ گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی، بادلوں کے اوپر جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی بلند ہوتی جاتی تھی۔ انور حیران تھا کہ انجن میں اتنا زور
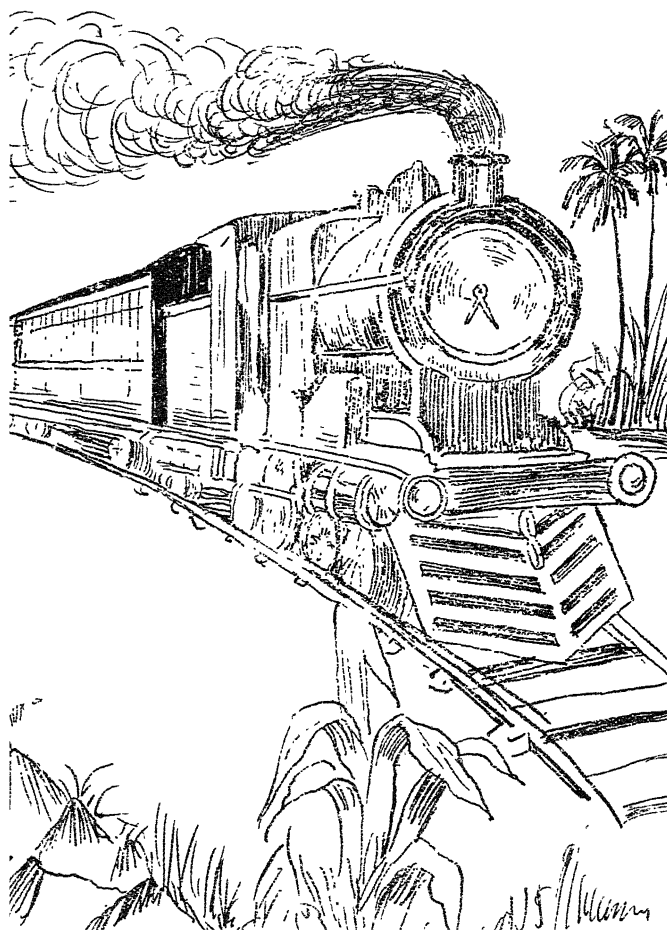
کیسے آگیا ہے۔ وہ ابھی اسی سوچ میں تھا کہ انجن نے زور
سے سیٹی بجائی۔ اس کے والد نے اسے بتایا کہ یہ اطلاعی
سیٹی ہے۔ جب گاڑی "ٹنل" میں سے گذرنے لگتی ہے
تو گارڈ مسافروں کو اطلاع دینے کی خاطر سیٹی بجاتا ہے
تاکہ کوئی مسافر کھڑکی میں سے باہر سر نہ نکالے یہ کہہ کر
اس نے جلدی سے کھڑکی بند کرلی تاکہ کمرے کے اندر
دھواں نہ بھر جائے۔ چونکہ انجن سے بھاپ بکثرت نکل
رہی تھی اس لئے کھڑکی کے آئینوں پر پانی کے قطرے
جمع ہو گئے تھے۔ انور اپنے دوستوں کو دیکھ کر بہت خوش
ہُوا۔ اتنے میں ایک بادل کا بچہ اُڑ کر اس کی گود میں آ
بیٹھا اور کہنے لگا "میاں انور مزاج شریف۔ میں بالکل
تھک گیا ہوں۔ دوست کیا تمہیں معلوم ہے کہ گاڑی
چلانے والے ہم ہی ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم ہمارے
شکر گزار ہو۔"

انور نے جواب دیا "یقیناً۔ آپ کی عنایت ہے لیکن

یہ تو بتائیے کہ آپ ایسی بوجھل گاڑی کو کیسے کھینچتے ہیں؟"
بادل کے بچّہ نے کہا "میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کرونگا۔ انجن کے بائلر میں جہاں پانی کھولتا ہے، ہماری ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ اس کے اندر بہت سی نلیاں لگی ہیں ہمیں ان نلیوں کے اندر سے خالہ گرمی بار بار کہتی رہتی ہے "بچّو بخارات بن جاؤ" اس حکم کی تعمیل میں ہم حتی الامکان جلدی بخارات بن جاتے ہیں۔ ہم اپنے پر بازو پھیلا لیتے ہیں اور باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بائلر کے اندر صرف ایک ہی سوراخ ہوتا ہے اس میں سے ایک نلی ایک دوسرے گول صندوق میں جسے "سلنڈر" کہتے ہیں جاتی ہے۔ اس لئے ہم اس سوراخ اور نلی کے راستے اس سلنڈر میں گھس جاتے ہیں لیکن یہ بھی آگے سے بند ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک چیز ہوتی ہے جسے "پسٹن" کہتے ہیں جو اس کو اس طرح بند کرتی ہے جیسے کہ بوتل کو کاگ بند کر دیتا ہے۔ اب ہم سب راستے بند دیکھ کر اس "پسٹن"

کو ڈھکیلنا شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ اپنی جگہ سے
کھسک جاتی ہے۔ اس کامیابی سے مسرور ہو کر ہم اور
زیادہ زور لگاتے ہیں یہاں تک کہ ہمیں اپنے سامنے
ایک سوراخ نظر آتا ہے۔ جو سب سے آگے ہوتے ہیں۔
اس سوراخ میں سے باہر کھلی ہوا میں نکل جاتے ہیں لیکن
جو پیچھے ہوتے ہیں پیشتر اس کے کہ اُن کی باری آئے، پسٹن
واپس لوٹ آتی ہے اور سوراخ بند ہو جاتا ہے کیونکہ دوسری
طرف سے اور بادل کے بچّے اسے ہماری طرف ڈھکیلتے رہتے
ہیں۔ علاوہ اس کے جب ہم میں سے بعض باہر نکل جاتے
ہیں اور اندر ہماری تعداد کم رہ جاتی ہے تو ہم اتنے زور سے
ڈھکیل نہیں سکتے۔ اتنی دیر میں نلی میں سے تھوڑے سے بادل
کے بچّے اور ہماری مدد کے لئے آجاتے ہیں اور ہم دوبارہ
پسٹن کو آگے ڈھکیل دیتے ہیں۔ اس طور پر ہم پسٹن کو تیزی
کے ساتھ آگے پیچھے ہلاتے رہتے ہیں۔ اس جد و جہد میں ہر
مرتبہ میَں سوراخ کے قریب ہوتا جاتا تھا۔ آخر کار میَں بعض

دوستوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ محنت کے بعد آرام کی قدر محسوس ہوتی ہے اور سچ پوچھو تو میں اس شاقہ محنت سے تھک گیا تھا۔ اس لئے اب میں تازہ دم ہونے کے لئے یہاں چند ے آرام کرونگا۔"

انور نے کہا "واقعی تم آرام کے مستحق ہو لیکن سو جانے سے پہلے تم مجھے صرف اس قدر سمجھا دو کہ تم انجن کو کس طرح چلاتے ہو اور گاڑی کیونکر کھینچتے ہو۔ میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ پسٹن کے آگے پیچھے ہلنے سے انجن اور گاڑی کس طرح حرکت کر سکتے ہیں؟"

بادل کے بچّہ نے جواب دیا "تم پہلے مجھے یہ بتاؤ۔ کیا تم بائی سکل چلانا جانتے ہو؟"

انور نے کہا "ہاں مجھے ٹرائی سکل چلانے کا بہت شوق ہے۔ میں اپنی ٹرائی سکل شملہ لانا چاہتا تھا لیکن ابّا جان کہتے تھے کہ پہاڑ پر سڑکیں بہت اونچی نیچی ہوتی ہیں۔ ان پر ٹرائی سکل چلانا مخدوش ہوگا۔"

بادل کے بچّہ نے کہا "ٹھیک ہے ابھی تم چھوٹے ہو،
دو پہیّوں والی بائی سکل تم نہیں چلا سکتے۔ تین پہیّوں والی ٹرائی
سکل آسانی سے چلا لیتے ہو گے۔ اچھا تو جس طرح تم ٹرائی سکل
چلاتے ہو اسی طرح ہم انجن چلاتے ہیں۔ جب تم ٹرائی سکل پر
سوار ہوتے ہو تو پہلے ایک پاؤں کو نیچے لے جاتے ہو پھر
دوسرے پاؤں سے دوسرے "پیڈل" کو نیچے کر دیتے ہو۔ اسی
طرح بار بار پاؤں کو اوپر نیچے لے جانے سے ٹرائی سکل کا
پچھلا پہیّہ آگے چلنے لگتا ہے۔ بھاپ کے انجن میں بھی بالکل
یہی بات ہوتی ہے۔ میں تمہیں پہلے سمجھا چکا ہوں کہ ہم کس
طرح پسٹن کو آگے پیچھے ہلاتے ہیں۔ پسٹن کے ساتھ ایک
سلاخ لگی ہوتی ہے اور پسٹن کی اس سلاخ کے ساتھ ایک
اور سلاخ جڑی ہوتی ہے جسے "چلانے والی سلاخ" کہتے ہیں۔
"چلانے والی سلاخ" کے ساتھ "کرینک" لگا ہوتا ہے جس سے انجن
کے پہیّہ کا محور گھومتا ہے۔ سلاخوں اور "کرینک" کی مثال تمہارے
بازوؤں اور ٹانگوں کے جوڑوں میں موجود ہے۔ تمہاری

ٹرائی سکل بھی ایک طرح کا انجن ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب ہم بادل کے بچے مل کر کام کرتے ہیں تو تم سے کئی گنے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔"

انور نے حیران ہو کر کہا "واقعی! مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ تم اس قدر توانا ہو۔"

بادل کے بچے نے جواب دیا "کیوں نہیں۔ جب ہم کسی بند برتن میں جیسا کہ انجن کا بائلر ہوتا ہے بخارات بنتے ہیں اور اپنے پر بازو پھیلاتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں پھیلنے سے روک نہیں سکتی۔ کسی نہ کسی طریقہ سے ہم باہر نکلنے کا راستہ بنا لیتے ہیں اور اگر ہم انجن میں سے پسٹن یا فنل کے راستہ سے نہ نکل سکتے تو یقین جانو کہ ہم انجن کے پرزے پرزے اڑا دیتے اور باہر نکل جاتے۔"

"اس کے علاوہ ہم بیسیوں کام اور کر سکتے ہیں۔ تم یہ نہ سمجھو کہ ہم صرف ریل گاڑی کھینچ سکتے ہیں۔ ہم کئی قسم کے انجنوں میں کام کرتے ہیں۔ ریل گاڑی کے انجن کو "لوکوموٹو" کہتے

ہیں کیونکہ ہم اسکے اندر کام کرتے ہیں تو یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتا ہے لیکن بعض انجن ایک ہی جگہ قائم رہ کر کام کرتے ہیں اور وہ ان سے زیادہ بڑے اور طاقتور ہوتے ہیں۔ کارخانوں اور چکیوں میں یہ قائم انجن ہر ایک قسم کا کام کرتے ہیں۔ ایک جگہ پر کھڑے رہ کر چلنے والے انجنوں کا کام زیادہ تر ایک بہت بڑے اور بھاری پہیئے کو گھمانا ہوتا ہے جسے "فلائی وہیل" یا "اُڑن پہیہ" کہتے ہیں۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ جب ہم ایسے ایک بڑے پہیئے کو گھما دیتے ہیں تو اُس سے چھوٹے بڑے سب کام لئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً تمہارے اس خوبصورت لباس کو ہمیں نے قائم انجن اور گھومنے والے پہیئے کی مدد سے بنایا ہے۔ ہمیں نے اس کے تانے بانے کے لئے باریک لیکن مضبوط دھاگا کاتا تھا اور ہمیں نے اُس سے کپڑا بُنا تھا۔ اگر تم آدم کی اولاد ہمارے لئے مناسب کلیں بنا سکو تو ہم بادل کے بچے تمہارے لئے دنیا کا ہر ایک کام کرنے کے لئے تیار ہیں ؛

بارھواں باب

بجلی کے کرشمے

"بعض اوقات ہم کرنیل برق کو اپنی مدد کے لئے بُلا لیتے ہیں۔ تمہیں یاد ہے وہ کون ہے؟"

کیوں نہیں۔ وہی سُرخ وردی والا افسر جسے میں نے اُس روز بادلوں میں سواری کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور خالہ گرمی اُس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی"

"ہاں وہی۔ بعض مقامات پر جنہیں "برقی مستقر" کہتے ہیں، بڑے بڑے انجن ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے کرنیل برق سے کام لیا جاتا ہے۔ برقی مستقر سے تانبے کے موٹے تار سب اطراف میں پھیلے ہوتے ہیں تاکہ کرنیل برق ان کی راہ سے جگہ جگہ جا سکے۔ وہ تانبے کے تار کا عاشق

ہے اور اس کے اوپر بجلی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑنا پسند کرتا ہے۔ اس طریقے سے جب کرنیل برق کو مستقر میں پکڑ لیا جاتا ہے تو جہاں کہیں اس کی ضرورت ہوتی ہے اِسے اِن تاروں کے راستے بہ آسانی لے جا سکتے ہیں۔ اور پھر وہ تمہاری ہر طرح کی خدمت بجا لا سکتا ہے۔ مثلاً وہ تمہارے گھر میں روشنی کر سکتا ہے اور تمہارے پنکھے شب و روز چلا سکتا ہے۔

انور نے بادل کے بچّے کو روک کر کہا۔ "ٹھیک ہے میرے ایک چچا جان کلکتہ میں تجارت کرتے ہیں۔ اُنکے بیٹے اسلم کی سالگرہ کے موقع پر میں وہاں گیا تھا۔ اُن کے گھر میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ ہر ایک کمرے میں دروازہ کے پاس پینل کا ایک چھوٹا سا بٹن لگا ہوتا ہے۔ ہم اسے دباتے تھے تو فوراً تمام کمرے میں روشنی ہو جاتی تھی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس طرح ہوتا ہے؟"

بادل کے بچّے نے جواب دیا "میں تمہیں سمجھاتا ہوں

بجلی کے اسٹیشن سے گھر تک ایک تار لگا ہوتا ہے درحقیقت یہ دو تار ہوتے ہیں جن کے اوپر ریشمی دھاگا لپٹا ہوتا ہے اور ربڑ کی نلی چڑھی ہوتی ہے ایسے تار کو دھاگا تار بند کہتے ہیں۔ یہ دونو تار آپس میں لپٹے ہوتے ہیں اور بظاہر صرف ایک تار دکھائی دیتا ہے۔ کرنیل برق ریشمی دھاگے اور ربڑ سے نفرت کرتا ہے اس لئے اِن میں سے نہیں گزرتا۔ لیکن ایک تار میں سے دَوڑ کر برقی سٹیشن سے گھر تک پہنچ جاتا ہے اور راستہ میں بجلی کا لمپ روشن کرکے دوسرے تار پر سے دوڑ کر واپس آجاتا ہے۔ جس وقت وہ پیتل کا بٹن اُبھرا ہوتا ہے دونو تاروں کے سرے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ اس لئے کرنیل برق اِدھر سے اُدھر دوڑ نہیں سکتا۔ اس کا راستہ بند ہوتا ہے۔ لیکن جس وقت بٹن نیچے دبا دیا جاتا ہے۔ اُس کا راستہ کھُل جاتا ہے، دونو تاروں کے سرے آپس میں مل جاتے ہیں اور وہ اِدھر سے اُدھر دَوڑتا پھرتا

ہے اور لمپ روشن رہتا ہے۔

اسی طرح بٹن دبانے سے وہ پنکھا گھما سکتا ہے۔
لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ صرف یہی دو کام کرسکتا ہے۔ وہ
گھوڑے کے برابر طاقتور ہے بلکہ سچ پوچھو تو اس کی
طاقت ہزاروں گھوڑوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔
کھچا کھچ بھری ہوئی گاڑیاں جو لوہے کی پٹری پر چلتی
ہیں اور جنہیں "ٹریم" کہتے ہیں، انہیں کرنیل برق ہی چلاتا
ہے۔ سڑک کے اوپر دو بڑے تار ہوتے ہیں جن کے اوپر
کرنیل برق اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا ہے۔ ٹریم کی چوٹی پر لوہے
کی ایک اونچی سلاخ لگی ہوتی ہے۔ جب یہ سلاخ تار کے
ساتھ لگائی جاتی ہے تو کرنیل برق اس کے راستہ سے
نیچے اُتر آتا ہے اور ٹریم کے انجن کو چلاتا ہے جس سے
ٹریم ہلنی شروع ہوجاتی ہے۔ ہندوستان کے بڑے شہروں
مثلاً کراچی، دہلی، بمبئی، کلکتہ وغیرہ میں ٹریم گاڑی چلتی ہے"
"اس کے علاوہ میں تمہیں صرف ایک بات اور بتاؤں گا

اور پھر تخفیف تصدیع کرونگا۔ کرنیل برق لوگوں کے پیغام تار کے اوپر دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چشم زدن میں پہنچا دیتا ہے اِسے تار برقی کہتے ہیں۔ اور آج کل تو دانا لوگوں نے جنہیں سائنس داں یا عالمانِ سائنس کہتے ہیں۔ کرنیل برق سے یہ خدمت تار کے بغیر بھی لے لی ہے اسے "لاسلکی" کہتے ہیں جس کے معنی "بے تار برقی پیغام رسانی" ہے*
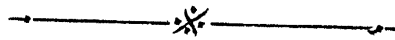
تار برقی کی تشریح

"ایک جگہ سے برقی چابی دبائی جاتی ہے اور ٹک ٹِک کیا جاتا ہے ایسا کرنے سے کرنٹ برق تار کے اوپر دوڑتا ہوا دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اور وہاں بھی اسی طرح ٹِک ٹک کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ٹِک ٹِک کرنے کے لئے ایک خاص قسم کی برقی چابی استعمال کی جاتی ہے جسے مارس صاحب نے ایجاد کیا تھا۔ اِسے "مارس کی چابی" کہتے ہیں۔ ہر ایک حرف آہستہ اور تیز ٹِک ٹک کرنے سے سمجھ میں آجاتا ہے کیونکہ یہ نشان پہلے سے مقرر کر لئے جاتے ہیں۔ حرفوں کے جوڑنے سے لفظ بن جاتے ہیں اور لفظوں کے جمع کرنے سے فقرے بن جاتے ہیں۔ اس طرح ایک جگہ سے پیغام دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اور دور و دراز فاصلہ پر سے باتیں کی جا سکتی ہیں"۔

انور نے خوش ہو کر کہا "ٹھیک ہے۔ یہ تو بالکل ویسا

ہی ہے جس طرح کہ ہم مدرسہ میں جھنڈیوں کے ذریعہ سے
باتیں کرتے ہیں ماسٹر صاحب ہماری جماعت کو دو حِصّوں
میں بانٹ دیتے ہیں اور ہمیں ایک بڑے میدان میں فاصلہ
پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ ایک طرف کے لڑکے جھنڈیاں ہلاتے
ہیں اور ہم ان کی بات سمجھ کر جواب میں پھر جھنڈیاں ہلاتے
ہیں۔ اُستاد صاحب نے پہلے سے ہم سب کو سمجھا دیا تھا۔
کہ جھنڈی کو اوپر نیچے اور دائیں بائیں طرف ہلانے کا کیا
مطلب ہے۔ اس طرح سے ہم اکثر کئی کئی گھنٹے باتیں اور
ورزش، تفریح کرتے رہتے ہیں۔"

"بالکل درست۔ لیکن جھنڈیوں کی مدد سے پیغام
بہت دُور نہیں بھیجے جا سکتے۔ اس کے علاوہ رات کے
وقت اور بارش وغیرہ میں جھنڈیوں سے بات چیت کرنا
مشکل ہے۔ لیکن تار برقی ہر وقت اور ہر ایک فاصلہ
کے لئے مفید ہے۔"

"ہاں مجھے یاد آیا۔ جب ہم ہمری نگر سے روانہ ہوئے

تو ابّا جان نے راولپنڈی ایک برقی پیغام بھیجا تھا۔ وہ
فرماتے تھے کہ اُنھوں نے تار بھیجا ہے اور کہلا بھیجا ہے
کہ کلکتہ میل میں ہمارے واسطے رات کو سونے کے لئے
دو جگہیں خالی رکھی جائیں۔ چنانچہ جب ہم راولپنڈی پہنچے
تو ہمارے آنے سے پہلے سب انتظام مکمّل تھا۔ میں سمجھتا
ہوں کہ کرنیل برق ہمارا پیغام تار کے اوپر لے گیا ہو گا۔
جب ہی تو ہمیں ڈاک گاڑی میں آرام کے ساتھ سونے
کی جگہ مل گئی تھی"۔

"تمہیں کرنیل برق کا اور ہمارا ممنون ہونا چاہیئے کہ
ہم تمہارے آرام و آسائش کے لئے اتنا کچھ کرتے ہیں
مجھے اب جانا چاہیئے۔ خدا حافظ"
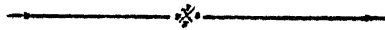
تیرھواں باب

دنیا میں سب سے لمبی ٹنل بادل کے بچّوں نے بنائی

ان ہی باتوں میں تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ انور کو اشتہا محسوس ہو رہی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ گاڑی جلدی کسی بڑے سٹیشن پر پہنچ جائے جہاں ناشتہ کا بندوبست ممکن ہو۔ اتنے میں گاڑی یکایک ٹھہر گئی۔ انور نے حیران ہو کر دیکھا تو کوئی اسٹیشن نظر نہ آیا البتہ بڑے بڑے پہاڑ چاروں طرف کھڑے تھے اور گاڑی کے راستہ میں پہاڑ کی ایک اونچی سی دیوار حائل تھی۔ اس کی حیرانی دیکھ کر اس کے والد نے کہا اُس کے بعد ایک بہت لمبی ٹنل آنے والی ہے۔ چونکہ گاڑی اس کے اندر کئی منٹ رہیگی اس لئے انجن کو ٹھیک ٹھاک کرنے کے لئے گاڑی روک لی گئی ہے۔

یہ لوگاڑی چل پڑی اب ہم بروگ کی ٹنل ہیں داخل ہو گئے ہیں ہمارے سر کے اوپر کروڑوں من مٹی اور پتھر ہیں اگر خدانہ خواستہ انجن بگڑ جائے تو بہت سے مسافر دم گھٹ کر مر جائیں ٹنل کے اندر انجن کے دھوئیں سے ہوا بالکل کثیف ہو جاتی ہے"
جب تک گاڑی ٹنل ہیں سے گذرتی رہی انور دم بخود بیٹھا رہا۔ وہ کئی باتیں سوچ رہا تھا لیکن اس کے خیالات کا مرکز یہ معمہ تھا کہ ٹنل کس طرح بنائی گئی تھی۔ جب گاڑی ٹنل سے باہر نکلی تو گاڑی برگ سٹیشن پر کھڑی ہو گئی۔ جہاں مسافروں نے ناشتہ کیا"

ناشتہ کے بعد تازہ دم ہو کر انور نے اپنے والد سے پوچھا" ابا جان کیا اس ٹنل سے زیادہ لمبی اور کوئی ٹنل ہے یا دنیا کی سب سے لمبی ٹنل یہی ہے ؟"

"نہیں یہ ٹنل تو صرف نصف میل کے قریب لمبی ہے دنیا کی سب سے بڑی ٹنل یورپ میں اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے درمیان کوہ ایلپس ہیں کاٹی گئی ہے۔ اس کی لمبائی دس

میل ہے۔ اُس کی تکمیل سائنس اور فن انجینئرنگ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ ٹنل کی کُھدائی بارود اور ڈائنامیٹ سے کی گئی تھی اور کام کو جلدی ختم کرنے کے لئے ٹنل کے دونو سروں پر سے کُھدائی شروع کی گئی تھی تم یہ سُن کر متعجّب ہو گے کہ آخرالامر جب دونو طرف سے پانچ پانچ میل تک پہاڑ کے نیچے سرنگ کاٹی جا چکی تھی تو سرنگ کے دونو حصّے بالکل ایک دوسرے کی سیدھ میں نکلے تھے۔ یہ کام بہت سے آلات کی مدد سے کیا گیا تھا جب دونو طرف سے مزدور اور کاریگر ایک دوسرے کے اوزاروں کا شور سُن سکتے تھے تو اُن کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی لیکن جب وقت بیچ کا پردہ اُڑایا گیا اور سرنگ سیدھی بن گئی اور دونو سرے صحیح مل گئے تو وہ خوشی کے مارے، پھُولے جامے میں نہ سماتے تھے۔"

"جہاں وہ ٹنل کاٹی گئی تھی اس کے قریب ہی ایک ندی بہتی تھی اور چونکہ تم کو پانی کے مُطالعہ کا شوق

ہے اور بادل کے بچے تمہارے دوست ہیں، تمہیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ اس ٹنل کی تکمیل میں کام کا بہت سا حِصّہ پانی کی طاقت سے کیا گیا تھا۔

"کئی برس گزرے، میں ولایت گیا تھا۔ اُس وقت یہ ٹنل بن رہی تھی۔ بڑے انجینر سے میری واقفیت تھی چنانچہ اُس نے مجھے سمجھایا تھا کہ یہ ٹنل کس طرح بنائی جا رہی تھی۔ بارود سے چٹان اُڑائی جاتی تھی۔ پہاڑ کی چٹانوں میں مضبوط برمے سے چھید کئے جاتے تھے۔ برما چلانے کے لئے منضغطہ ہوا یعنی دبی ہوئی ہوا سے کام لیا جاتا تھا۔ قریب ہی ایک بڑا پہیہ تھا جو دریا میں آبشار کے زور سے چلتا تھا۔ اس پہیے سے وہ کلیں چلتی تھیں جن سے ہوا کو دبا کر مضبوط آہنی برتنوں میں بھرا جاتا تھا۔ پھر یہ برتن ریل کے اوپر رکھ کر ٹنل کے پاس لائے جاتے تھے۔ اور نلیوں کے ذریعہ سے برمے کی مشین کے ساتھ لگا دیئے جاتے تھے۔ ان برتنوں میں سے دبی ہوئی ہوا کے زور

کے ساتھ نکلنے سے برمے چلتے تھے۔ جب چھید گہرے ہو جاتے تھے تو اُن میں بارود بھری جاتی تھی اور ان کا مُنہ چونے سے بند کر دیا جاتا تھا۔ بند کرنے سے پہلے ہر ایک سُوراخ میں ایک فتیلہ رکھ دیا جاتا تھا۔ فتیلہ کا ایک سرا چھید کے باہر رہتا تھا۔ جب اِس بیرونی سرے کو آگ لگاتے تھے تو آگ آہستہ آہستہ چھید کے اندر بارود تک پہنچتی تھی۔ اس لئے پیشتر اس کے کہ بارود بھک سے اُڑے اور پہاڑ گرنا شروع ہو مزدور ریل میں بیٹھ کر دور ہٹ جاتے تھے۔ دبی ہُوئی ہوا ریل گاڑی کو بھی چلاتی تھی۔ دبی ہوئی ہوا سے انجن ہانکنے کا فائدہ یہ ہے کہ ٹنل کے اندر کی ہوا صاف اور تازہ رہتی ہے۔

"اُس طور سے کام ترقی کرتا گیا اور جیسا کہ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں ٹنل کچھ حسن اسلوب ختم ہوئی۔ اُس ٹنل کے پاس ہی مشہور محبِ وطن ولیم ٹیل کی ایک یادگار قائم ہے۔
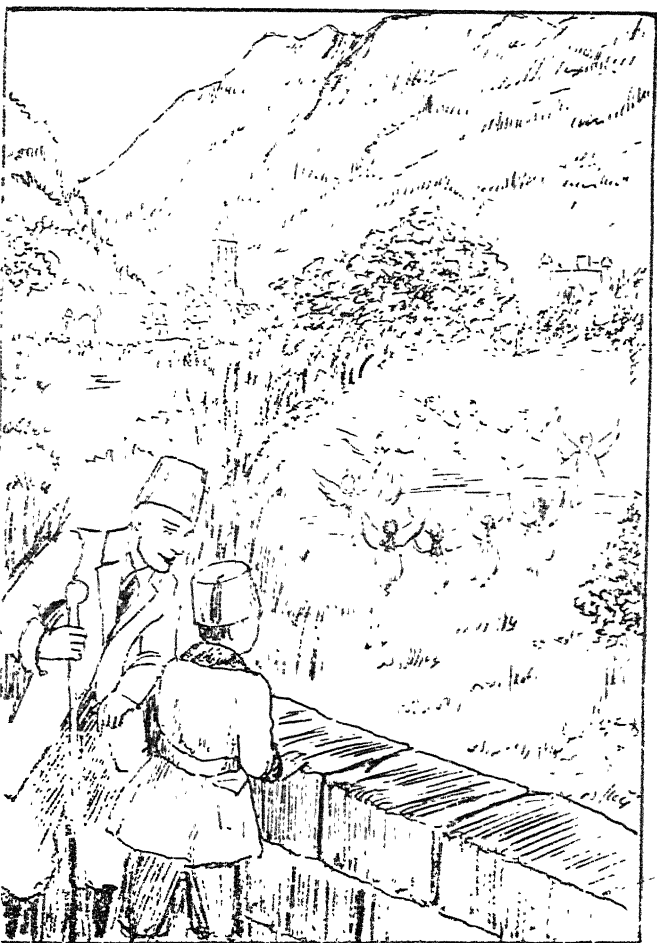
"ایک ظالم بادشاہ نے سر بازار اپنی ٹوپی لٹکا کر یہ حکم دیا کہ جو کوئی اس ٹوپی کو سلام نہ کریگا اُس کو سزا ملیگی۔ دو سپاہی ہر وقت ٹوپی کے پاس کھڑے رہتے تھے اور جو لوگ سلام نہیں کرتے تھے انہیں گرفتار کر کے سزا دیتے تھے۔ اتفاق سے ولیم ٹیل بھی ادھر سے گذرا۔ اسے اس ظالمانہ حکم کا علم نہ تھا۔ اس نے سلام نہ کیا۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا اور ظالم بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ کو اس سے دشمنی تھی اس نے کہا کہ اگر تم سزا سے بچنا چاہو تو سو گز کے فاصلے پر کھڑے ہو جاؤ۔ ہم تمہارے بیٹے کے سر کے اوپر ایک سیب رکھینگے۔ اگر تم تیر چلا کر اس سیب کو اُڑا دو تو تمہیں معاف کر دیا جائیگا۔ مجبور ہو کر ولیم ٹیل نے دو تیر لئے اور کمان اُٹھا کر قسمت آزمائی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل تیر چلانے سے ڈرتا تھا لیکن ظالم بادشاہ کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے اللہ کا نام لے کر تیر چلا دیا۔ اس کا نشانہ ایسا اچھا تھا۔ کہ

اس کے بیٹے کو کوئی گزند نہ پہنچا اور سیب دو ٹکڑے ہو کر نیچے جا گرا۔ سب لوگوں نے واہ واہ اور صد آفریں کہی۔ جب ولیم ٹیل بادشاہ سے رخصت ہونے لگا تو اُس نے اس کو دوسرا تیر دکھا کر کہا "آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ میں دو تیر کیوں لئے تھے؟" ظالم بادشاہ نے کہا "میں نہیں بتا سکتا"۔ ولیم ٹیل نے ہنس کر کہا "اگر پہلا تیر میرے بیٹے کو زخمی کرتا تو دوسرا تیر آپ کے سینے میں سے پار ہوتا خدا کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے تمہاری جان بچالی ہے"۔

"ولیم ٹیل کے قصّے کو جرمنی کے ایک مشہور شاعر شِلّر نے منظوم کیا ہے۔ چنانچہ ولیم ٹیل کی یادگار کے قریب ہی شِلّر کی یادگار قائم ہے۔

"میں امید کرتا ہوں کہ تمہیں دنیا کی سب سے بڑی ٹنل کے حالات اور اپنے دوستوں بادل کے بچّوں کے کارنامے معلوم کر کے خوشی ہوئی ہوگی"۔

شملہ قریب آگیا تھا اور گاڑی بادلوں کے اوپر چلتی

ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ انور اپنے خیال میں محو تھا کہ اسے
گاڑی کے باہر بادل کے ٹکڑے میں چند بادل کے
بچّے ناچتے اور گاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اِس نے
آنکھیں بند کرلیں اور کان لگا کر اپنے دوستوں کی باتیں
سُننے لگا۔ جو کچھ وہ گا رہے تھے اُس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔
"ہم بادل کے بچّے ہیں۔ ہم آزاد ہیں۔ ہم نیک کام
کرتے ہیں۔ ہم اپنے ماں باپ سے محبت کرتے ہیں۔ ہم
خالہ گرمی کے حکم سے بخارات بن جاتے ہیں اور خالہ
سردی کے حکم سے پانی بن کر برستے اور برف باری کرتے
ہیں۔ ہم اتفاق کی برکت سے مضبوط ہیں۔ ہم سب مل کر
کام کرتے ہیں۔ جو کام مغرور انسان نہیں کرسکتا وہ ہم
مل کر کر لیتے ہیں۔ ہم انجن اور پن چکیاں چلاتے ہیں اور

کر بجلی برق کی مدد سے ہم آدمی کے فائدے کے

لئے ہزاروں کام کرتے ہیں۔

ہم بادلوں کے بچّے آزاد ہیں ہوا میں
اُڑتے ہیں ہم ہوا میں یہ کھیل ہے ہمارا
ہم جو اُمنڈ کے آئے ہم جو گرے زمیں پر
ہم نے بہائے نالے ہم نے بہائے دریا
پن چکیاں چلائیں ہم نے نلی میں گھس کر
ہم نے ہوا دبائی جس نے گھمایا برما
جس نے پہاڑ چھیدے بارود جس میں بھر کر
کیسی سرنگ اُڑائی۔ کیسا ہوا دھماکا

چودھواں باب

سائنس کے فائدے

کل انور کی اٹھارویں سالگرہ ہے۔ گزشتہ دس برس میں وہ باقاعدہ طور پر علم طبیعات، علم کیمیا، علم ہیئت اور علم الحیات کا مطالعہ کرتا رہا ہے۔ علوم جدیدہ کے علاوہ اس نے عربی بھی دل لگا کر پڑھی ہے اب اس کا ذخیرۂ معلومات بہت وسیع ہے۔ وہ گوناں گوں مظاہر فطرت سے بخوبی آگاہ ہے۔ آواز، حرارت، علم البرق، نظریۂ ارتقاء اسلکی اور جملہ مظاہر سماوی سے اسے خصوصیت کے ساتھ شغف ہے۔ چونکہ اس نے بچپن میں مذہبی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور قرآن شریف طوطے کی طرح پڑھنے اور حفظ کرنے

کی بجائے بامعنی سمجھ کر پڑھا تھا، آزاد خیالی اور معقول پسندی کے باوجود اس کے دل میں اپنے پاک مذہب کی وقعت اور ہادیِ برحق کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش باقی ہے۔ اس کے دوست اب عالمِ خیال میں رہنے والے "بادل کے بچے" نہیں بلکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہونہار طالبِ علم ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کو یہ بات سنانے سے کبھی نہیں تھکتا کہ علومِ جدیدہ یعنی (سائنس) کے مختلف شعبوں کی تحصیل کے ساتھ ساتھ مذہب اور عربی کی تعلیم ہر ایک طالب علم کے لئے ازبس ضروری ہے "

اپنی علمی ترقی کے باوجود وہ بارہا اپنے خواب حکیم طالیس کی ملاقات اور اپنے بچپن کے دوستوں کی باتوں کو نہایت مسرت کے ساتھ یاد کیا کرتا ہے۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اسے اپنے پیرانہ سال ناصح مشفق کی زیارت ایک دفعہ پھر نصیب ہوتا کہ وہ اس کا شکریہ ادا کر سکے۔ آخر کار آج

اس کی تمنا برآئی۔ دوپہر کو وہ انہی خیالات میں مستغرق تھا
کہ اسے عالمِ خیال میں، اپنے کتب خانہ میں کچھ روشنی سی
دکھائی دی۔ وہ اس نورانی شعاع کی طرف حیرت سے
دیکھ رہا تھا کہ اسے حکیم طالیس نظر آئے۔ فرطِ مسرت
سے اس کا دل بلّیوں اُچھلنے لگا۔ لیکن اس نے ضبط سے
کام لیا۔ اور متانت کے ساتھ سلام کیا۔ پھر یوں گویا ہوا:۔

آپ میرے محسن ہیں۔ میں آپ کا بہت ہی شکر گزار
ہوں۔ مجھے آپ سے دوبارہ مِل کر بہت خوشی حاصل
ہوئی ہے۔ میری دلی تمنا تھی کہ ایک دفعہ پھر آپ کی
زیارت نصیب ہوتی کہ میں آپ کو بتاؤں کہ میں نے
آپ کی نصیحت پر عمل کر کے کس قدر فائدہ حاصل کیا ہے
آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے کہ علم ہی آبِ حیات ہے۔ جس
کے ہاتھ میں علم کی کنجی ہوتی ہے وہ قدرت کے سربستہ
رازوں کو کھول سکتا ہے اور زمانۂ ماضی وحال کے عالی
خیال عالموں کے اکتشافات سے بہرہ یاب ہو کر

حیاتِ دوام حاصل کرسکتا ہے کیونکہ اگر وہ خدمتِ
علم اور تلاشِ حق میں عمر بھر مصروف رہیگا تو اس کی
موت کے بعد بھی دنیا میں اس کا نام زندہ رہیگا۔
آپ مملکتِ علم کے ایک عالی شان تاج دار ہیں
آپ کے سامنے اپنا زانوئے تلمذ تہ کرتا ہوں۔ دعا
فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے اور اپنے دوسرے
نیک بندوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے!"
بزرگ آدمی نے خندہ پیشانی کے ساتھ جواب
دیا: "پیارے انور! میں تمہاری سعادت مندی اور
علم دوستی سے بہت خوش ہوں۔ دس برس گزرے،
میں نے تمہیں قصہ کہانی کے پیرایہ میں سائنس اور
علم طبیعات کی چند ابتدائی باتیں بتائی تھیں۔ تم نے
اس افسانہ سے کما حقہٗ استفادہ کیا ہے۔ کاش باقی
سب بچے بھی تمہاری طرح نیکوکار اور علم کے طالب ہوں"
"آج میں تمہیں کارزارِ حیات کے لئے چند مفید

کلمات سُناتا ہوں۔ یہ حکمت کا نچوڑ اور فلسفۂ حیات کے مرکزی نکات ہیں۔ یاد رکھو کہ حقیقی کفرانِ نعمت دنیا میں جہالت اور خود غرضی کی زندگی بسر کرنا ہے خداداد قوائے ذہنی اور بدنی کا صحیح استعمال یہی ہے کہ انسان کارخانۂ قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرے اور بنی نوع انسان کے آرام و آسائش کے لئے عملی ذرائع مہیا کرے۔ افادہ سے خالی زندگی موت سے بدتر ہے۔ جو آدمی نیکو کاری کی زندگی بسر کرتا ہے اور حقائقِ فطرت کی تلاش میں سرگرم رہتا ہے وہی آدمی رضائے الٰہی کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

"میں نے اپنی بساط بھر حقیقت کے چہرہ کو بے نقاب کرنیکی کوشش کی تھی میرے بعد مختلف آدمیوں اور قوموں نے مشعلِ علم کو روشن رکھا ہے۔ آج سائنس ایک رفیع الشان محل ہے جس کی آرائش حیرت انگیز ایجادوں اور انکشافات سے ہوئی ہے۔ یہ کہنا بیجا نہیں ہے۔ کہ

سائنس نے انسانی زندگی لمبی کر دی ہے تکلیف کو گھٹا دیا ہے
بیماریوں کی بیخ کنی کر دی ہے۔ زمین کی پیداوار بڑھا دی
ہے۔ ملّاحوں کی زندگی کو خطرہ سے محفوظ کر دیا ہے سپاہیوں
کے لئے نئے نئے اسلحہ بنا دیئے ہیں۔ بجلی کو مطیع و منقاد بنا
لیا ہے۔ رات کی تاریکی کو دن کے اُجالے سے زیادہ
روشن بنا دیا ہے۔ آنکھ کی دُور بینی کو وسعت بخشی ہے
انسانی طاقتوں کو لا انتہا ترقی دی ہے۔ رفتار تیز کر دی
ہے۔ فاصلہ کم کر دیا ہے۔ میل ملاپ آسان کر دیا ہے۔
اور حضرتِ انسان کو سمندر کی تہ اور ہوا کی بلندی کی سیر
کرا دی ہے۔ یہ فوائد سائنس کے اوّلین فوائد میں سے چند
ایک ہیں۔ ہزاروں فائدوں سے انسان ابھی متمتع نہیں ہوا
"جو کچھ ہو چکا ہے فضلِ ربّانی سے ہوا ہے۔ خدا کا فضل
شاملِ حال رہے تو انسان بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن

لہ اس اجمال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تحفۂ سائنس (طبع ثالث
باب ۱) مصنفہ شیخ فیروز الدین مراد پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

افسوس ہے کہ زمانۂ حال میں بعض قومیں سائنس کا ناروا
استعمال کر رہی ہیں۔ ہوائی جہازوں اور نئی نئی قسم کی توپوں
سے وہ دوسری قوموں کو تباہ کرنے کی فکر میں منہمک
رہتی ہیں۔ جنگ یورپ اہلِ فرنگ کی علمی ترقی اور ردی
اخلاقی حالت کا نتیجہ ہے۔ اقوامِ یورپ نے باایں ہمہ
ادعائے تہذیب و ترقی، مادی علوم کے دوش بدوش
روحانیات اور تہذیب اخلاق میں کچھ ترقی نہیں کی
بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یورپ نے تہذیب نفس کے
نقطۂ نگاہ سے ترقیِ معکوس کی ہے۔ گو وہاں سائنس کا
آفتاب نصف النہار پر ہے لیکن وہاں کی اخلاقی حالت
بہت ردّی ہے۔ یاد رکھو کہ بد شعار اور خلق آزار
سائنسدان شیطان سے ہزار درجے بدتر اور قابلِ
نفریں ہوتا ہے۔

"ہندوستان میں سائنس کا آفتاب ابھی اپنی پوری آب و
تاب سے نہیں چمکا۔ ترقی یافتہ اقوامِ عالم کے مقابلہ میں تمہارا

ب اپنی سائنٹیفک (حکمی) پستی اور علمی تنزّل کے
اظ سے کامل ایک صدی پیچھے ہے۔ اس پر ستم یہ ہے۔
یہاں بعض جاہل لوگ، مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے
کا دشمن سمجھتے ہیں۔ تم یقین جانو کہ یہ سب غلط بہتان
ہے۔ سائنس کا صحیح مطالعہ نیکوکار انسان کو خدا کا
مقرّب بنا دیتا ہے۔ اور علمی انکشافات، انسانی ہاتھوں
میں باعث رحمت بھی بن سکتے ہیں اور موجب ہلاکت و
ضلالت بھی۔ عزیز من یاد رکھو کہ تم اپنے ملک و قوم
کی بہترین خدمت صرف ایک نیکوکار سائنسداں
بن کر کر سکتے ہو۔

تمام شد

مرقنہ مروتی گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں چھپا